بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

جلد نمبر ۶۱

شمارہ نمبر ۳

مارچ ۲۰۱۷ء

سالانہ زر تعاون

برائے ہندوستان :	۲۰۰/روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک :	۳۵/امریکی ڈالر
فی شمارہ :	۲۰/روپے
لائف ٹائم خریداری :	۸۰۰۰/روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی — عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی — محمود حسن حسنی

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے ۵
- حدیث کی روشنی میں ..... امۃ اللہ تسنیم ۶
- پیغمبر اسلامؐ دوستوں اور ہمعصروں کے ساتھ .... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ۸
- سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں .... مولانا سید رابع حسنی ندوی ۱۲
- تبلیغ نبویؐ اس کے اصول اور اس کی .... علامہ سید سلیمان ندویؒ ۱۴
- کیا نہیں کوئی غزنوی کارگہ حیات میں ..... پروفیسر محسن عثمانی ندوی ۲۲
- امام اعظم ابوحنیفہؒ حیات اور کارنامے ..... مولانا محمد نجیب سنبھلی ۲۹
- سکون کیسے حاصل ہوگا؟ ..... ابوعکاشہ مفتی ثناء اللہ ڈیروی ۳۲
- دعا اور اس کے آداب ..... مفتی شفیق الدین الصلاح ۳۵
- سوال وجواب ..... مفتی راشد حسین ندوی ۳۸
- میں نے اسلام کیوں قبول کیا ۳۹
- آخری صفحہ ..... مولانا قمر الزماں ندوی ۴۲

اپنی بہنوں سے

اسلام میں شرم وحیا کی بڑی اہمیت ہے اور اس کی اتنی اہمیت ہے کہ ہر خیر اور بھلائی اس سے جڑی ہوئی ہے۔ شرم وحیا ایمان کا جز ہے۔ اللہ کا لحاظ سب سے بہتر چیز ہے۔ ہر بات اور ہر چیز میں اللہ کا لحاظ کسی بھی انسان کے لئے ضروری ہے۔ تو کیوں ایک مسلمان کے لئے ضروری نہ ہو۔ اس میں مسلمان مرد وعورت دونوں برابر ہیں۔ جو جتنا اللہ کا لحاظ کرے گا وہ اتنا آگے بڑھے گا۔ اللہ کا عقیدہ میں بھی ہے۔ عمل میں بھی ہے۔ اسی کا دوسرا نام تقویٰ ہے، تقویٰ رکھنے والے یعنی احتیاط سے زندگی گزارنے والے اور والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں بڑے وعدے کئے ہیں۔ اگر ہمیں ان وعدوں کا مستحق بننا ہے تو ہر معاملہ میں احتیاط اور لحاظ رکھنا ہوگا۔ اور زندگی کے جو آداب ہیں ان آداب کا خیال کر کے زندگی گزارنا ہوگی، اسی میں زور سے نہ بولنا، جسم کو ڈھکنا، تصویروں سے پرہیز، کھانے پینے اور رہن سہن میں بھی دوسروں کا خیال۔ اور ہر معاملہ میں جائز وناجائز کی فکر، چھوٹے بڑے کا خیال، اور دینی باتوں کا خیال، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کو ہمارے لئے اتارا اور ہم تلاوت بھی نہ کریں۔ پچاس نمازیں فرض کی تھیں پھر ہمارے لئے پانچ کردیں اور ثواب پچاس کا رکھا پھر بھی وقت پر نماز نہ پڑھیں، اور دوسری باتوں میں لگے رہیں۔ زمین میں اپنے گھر کے طور پر کعبہ کو دیا پھر اس کو قبلہ بنایا اور طواف کرنے کا حکم دیا۔ آج ہم جو کچھ ہیں وہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کا نتیجہ ہے۔ پھر بھی درود شریف نہ پڑھیں اور جیسی محبت کرنی چاہئے وہ نہ کریں، اگر ہم میں شرم ہوتی لحاظ ہوتا تو ہماری زندگی آج جیسی ہے اس سے بہت بلند ہوتی، اور اس سے ایک بہتر سے بہتر سماج بھی تشکیل پاتا، آیئے عہد کریں کہ اپنی زندگی کو پاکیزہ تر بنائیں گے اور سماج پر اثر ڈالیں گے۔

حدیث کی روشنی میں

تجہیز و تدفین کی فضیلت

امۃ اللہ تسنیم

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو جنازہ کے ہمراہ ہو پھر اس پر نماز پڑھے۔ اس کے لئے ایک قیراط ہے اور جو دفن میں بھی شریک ہو اس کے لئے دو قیراط ثواب ہے۔ لوگوں نے عرض کیا دو قیراط کیا ہوتے ہیں آپ نے فرمایا دو پہاڑوں کے مثل۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمان کے جنازہ کے پیچھے خدا کے وعدوں پر ایمان رکھتے ہوئے اور اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے جائے اور نماز اور دفن میں شریک رہے تو وہ دو قیراط ثواب لے کر پلٹے گا اور ہر قیراط اُحد کے برابر ہے اور جو نماز پڑھ کر دفن کرنے سے پہلے چلا آیا اس کے لئے ایک قیراط ثواب ہے۔ (بخاری)

عورتوں کو جنازہ کے ساتھ جانے کی ممانعت

حضرت اُمّ عطیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جنازہ کے ہمراہ جانے سے منع فرمایا ہے مگر تشدد نہیں کیا۔ (بخاری)

نماز پڑھنے والوں کی بڑی جماعت کی فضیلت

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس جنازہ پر مسلمانوں کی ایک جماعت جس میں سو کے قریب آدمی ہوں نماز میں شریک ہو اور میت کے حق میں سفارش کرے تو اس کی سفارش اس کے حق میں قبول کی جائے گی۔ (مسلم)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو مسلمان مرجائے اور اس کی جنازہ پر چالیس موحد شریک ہوں تو ان کی سفارش اس کے حق میں قبول کی جائے گی۔ (مسلم)

حضرت مرثد ابن عبداللہ یزنی سے روایت ہے کہ مالک بن ہُبیرہ جب کسی جنازہ پر نماز پڑھتے تھے اور مجمع کم ہوتا تھا تو ان کو تین صفوں میں تقسیم کردیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس جنازہ پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز پڑھ لیں تو اس پر جنت واجب ہوگئی۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

جنازہ کی دُعا

حضرت ابوعبدالرحمٰنؓ عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی اور جو دعا آپ نے پڑھی وہ میں نے یاد کرلی۔ آپ نے یہ فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَاَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَہٗ وَاغْسِلْہُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّہٖ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا نَقَّیْتَ الثَّوْبَ الْاَبْیَضَ مِنَ الدَّنَسِ، وَاَبْدِلْہُ دَارًا خَیْرًا مِّنْ دَارِہٖ، وَاَھْلًا خَیْرًا مِّنْ اَھْلِہٖ، وَ زَوْجًا خَیْرًا مِّنْ زَوْجِہٖ، وَاَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ، وَاَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ۔

ترجمہ: اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما۔ اس کو ہر برائی سے عافیت بخش، خطاؤں کو معاف فرما اور اس کو عزت کی جگہ عطا فرما، قبر کشادہ فرما، اور اس کو پانی، برف اور اولے سے غسل دے اس کو گناہوں سے ایسا پاک وصاف کر جیسے کہ آپ نے سفید کپڑے کو میل سے صاف

فرمایا ہو اور اس کو اس گھر سے بہتر گھر اور ان لوگوں سے بہتر لوگ اور اس جوڑے سے بہتر جوڑا عنایت فرما اور اس کو جنت میں داخل کر اور قبر کے عذاب سے اور دوزخ کی آگ سے اس کو نجات دے۔

راوی کہتے ہیں کہ یہ دعا سن کر مجھ کو تمنا ہوئی کہ کاش اس میت کی جگہ میں ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت قتادہؓ اور حضرت ابراہیم الاشہلیؒ سے روایت ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں (ان کے باپ صحابی تھے) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی اور یہ دعا پڑھی۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَ كَبِيْرِنَا وَ ذَكَرِنَا وَ اُنْثَانَا وَ شَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ، وَ مَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ، اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ۔

ترجمہ: اے اللہ ہمارے زندہ اور مردہ ہمارے چھوٹے اور بڑے، ہمارے مرد اور عورت، ہمارے حاضر و غائب کو بخش دے۔ اے اللہ ہم میں سے جس کو زندہ رکھ اس کو اسلام پر قائم رکھ اور جس کو موت دے اس کا ایمان پر خاتمہ کر، اور اے اللہ اس کے اجر سے ہمیں محروم نہ کر (یعنی اس کی موت سے جو صدمہ پہنچا ہے اس کے اجر سے محروم نہ کر) اور اس کے بعد ہم کو فتنہ میں نہ ڈال۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم کسی جنازہ پر نماز پڑھو تو اس کے لئے خلوص کے ساتھ دعا کرو۔ (ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ کی نماز کے متعلق روایت کرتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَ اَنْتَ خَلَقْتَهَا وَ اَنْتَ هَدَيْتَهَا لِلْاِسْلَامِ وَ اَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا وَ اَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَ عَلَانِيَتِهَا جِئْنَاكَ شُفَعَاءَ لَهٗ فَاغْفِرْ لَهٗ۔

ترجمہ: اے اللہ تو اس کا پروردگار ہے تو نے اس کو پیدا کیا اور تجھ ہی نے اس کو اسلام کا رستہ دکھایا اور تجھ ہی نے اس کی روح قبض کی اور تو ہی اس کے ظاہر و پوشیدہ کو خوب جانتا ہے۔ ہم سب اس کی سفارش کے لئے حاضر ہوئے ہیں پس تو اس کو بخش دے۔ (ابوداؤد)

حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک مسلمان کے جنازہ پر نماز پڑھی اور ہم نے آپ کو یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِيْ ذِمَّتِكَ وَ حَبْلِ جِوَارِكَ، فَقِهٖ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَ عَذَابَ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَمْدِ، اَللّٰهُمَّ فَاغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

ترجمہ: اے اللہ فلاں بن فلاں تیرے ذمہ ہے اور تیرے قرب و جوار میں ہے، پس اس کو قبر کے فتنہ سے اور دوزخ کے عذاب سے بچالے، تو وفا اور تعریف کے لائق ہے۔ اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما، تو بخشش والا رحمت والا ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے جنازے پر چار تکبیریں کہیں اور چوتھی تکبیر کے بعد اتنا ٹھہرے اور اتنے عرصہ کھڑے رہے جتنی دیر میں دو تکبیریں ہوتی ہیں اپنے بیٹے کے لئے دعائے استغفار کرتے رہے۔ پھر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ چار تکبیروں کے بعد اتنا ٹھہرے کہ میں نے گمان کیا کہ اب پانچویں تکبیر اور کہیں گے پھر انہوں نے اپنے دائیں بائیں جانب سلام پھیرا، اور جب فارغ ہوئے تو میں نے کہا یہ تم نے کیا کام کیا۔ انہوں نے کہا میں نے کوئی زیادتی نہیں کی، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اسی طرح کیا ہے۔ (حاکم)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دوستوں اور ہم عصروں کے ساتھ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قدم قدم پر اپنے ساتھیوں کی دلداری کا خیال رکھتے تھے، غزوۂ حنین کے بعد جب مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں انصار میں سے بعض نوجوانوں کو شکوہ پیدا ہوا تو آپ نے ان کو الگ جمع کیا اور ایسا اثر انگیز خطبہ دیا کہ ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ آپ نے اس موقع پر جہاں انصار مدینہ پر اسلام کے احسانات کا ذکر فرمایا، وہیں انصار کے احسانات کا بھی کھلے دل سے اعتراف فرمایا اور آخیر میں ارشاد فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم نبی کو اپنے کجاوہ میں لے کر جاؤ؟ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی میں پیدا ہوا ہوتا، اگر لوگ ایک وادی میں چلیں تو میں اس وادی میں جلوں گا، جس میں انصار چلیں، میرے لئے انصار کی حیثیت اس لباس کی سی ہے، جو اوپر سے پہنا جاتا ہے: "الانصار شعار والناس دثار"۔ (بخاری، عن عبداللہ بن زید، باب غزوۃ الطائف، حدیث نمبر: 433)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی ضرورتوں کا پورا پورا خیال رکھتے، ایک صاحب کی کھجوروں کی فصل خراب ہوگئی اور ان پر بہت سارا دَین ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء سے فرمایا، ان کی مدد کرو، لوگوں نے مدد کی، لیکن دَین ادا نہیں ہو پایا، آپ نے ان کے قرض خواہوں سے کہا: جو موجود ہو، وہ لے لو، اور تم کو صرف اسی کا حق حاصل ہے۔ (مسلم، باب استحباب وضع الدین، حدیث نمبر 1556)

اگر آپ کے رفقاء میں سے کسی کو تکلیف دہ بات پیش آئی تو ان کی تسلی اور دلداری کا پورا اہتمام فرماتے، عبداللہ بن جحشؓ نے جب ہجرت کی تو مکہ مکرمہ میں ان کے مکان پر ابوسفیان نے قبضہ کرلیا اور بیچ ڈالا، جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ اللہ تم کو اس کے بدلے جنت میں اس سے بہتر گھر عطا فرمادے، انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کو یہ چیز، یعنی: اس کے بدلہ میں جنت ملے گی، (سیرت ابن ہشام: 3/128، الروض الانف: 4/166) ایک صاحب اپنے چھوٹے بچے کو لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے، بچہ آپ کی پشت مبارک کی طرف آجاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے سامنے بٹھالیا کرتے، بچے کا انتقال ہوگیا، اس صدمہ سے ان کے والد حاضر نہ ہوسکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں تھا، ان کے بارے میں دریافت کیا، بتایا گیا کہ ان کے صاحبزادے کا انتقال ہوگیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ملاقات کی، ان کے بچہ کے بارے میں دریافت فرمایا اور تعزیت کی، پھر آپ نے فرمایا: تمہیں یہ بات زیادہ محبوب ہے کہ وہ تمہارے ساتھ زندگی گذارتا، یا یہ بات کہ تم جنت کے کسی دروازے پر آؤ، اور تم دیکھو کہ وہ تم سے پہلے پہنچ چکا ہے اور تمہارے لئے دروازہ کھول رہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یہ دوسری بات مجھے زیادہ محبوب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ چیز تم کو حاصل ہوگئی، صحابہ نے عرض کیا: یہ صرف ان کے لئے ہے یا

سبھوں کے لئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبھوں کے لئے۔ (نسائی، عن قرہ بن ایاس، باب فی التعزیہ، حدیث نمبر:2088)

اسی طرح آپ مشکل کاموں میں بھی صحابہ کے ساتھ شریک رہتے، غزوۂ خندق کے موقع سے سرد موسم تھا، صحابہ بھوکے پیاسے خندق کھودنے میں مشغول تھے اور تھک کر چور ہوجاتے تھے، ایسے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور فرماتے:

اللھم ان العیش عیش الآخرۃ فاغفر للانصار و المھاجرہ۔ (بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق، حدیث نمبر: 4099)

اے اللہ! عیش وآرام تو آخرت ہی کا عیش و آرام ہے: اس لئے انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمادیجئے۔

ہم لوگ جواب میں کہتے کہ ہم نے آخری دم تک کے لئے جہاد پر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت کی ہے۔ (بخاری، عن انس، باب التحریض علی القتال، حدیث نمبر: 2834)۔ ایک موقع پر مدینہ میں شور مچ گیا، لوگوں کو خیال ہوا شاید دشمن حملہ آور ہوگیا ہے، سب سے آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھے اور اس حال میں واپس آئے کہ آپ حضرت ابوطلحہؓ کے گھوڑے پر تھے، جس پر زین بھی نہیں تھی اور گردن مبارک سے تلوار لٹکی ہوئی تھی، آپ فرمارہے تھے: کہ کیوں گھبراتے ہو؟ کیوں گھبراتے ہو؟ **(بخاری، عن انس، باب الحمائل و تعلیق السیف، بالعنن، حدیث نمبر:2908)**

ایک دفعہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ سفر پر تھے: چنانچہ ایک بکرا کو ذبح کرنے کی بات طے پائی، ایک صحابی نے کہا: اس کو ذبح کرنا میرے ذمہ ہے، دوسرے نے کہا: اس کے چمڑے نکالنے کا کام میں کروں گا، تیسرے نے کہا: میں اسے پکاؤں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: میں ایندھن کی لکڑیاں جمع کروں گا، صحابہ نے عرض کیا: آپ کا کام ہم کردیں گے، یعنی: آپ زحمت نہ فرمائیں! ارشاد فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ میری طرف سے کفایت کردو گے، لیکن مجھے پسند نہیں ہے کہ میں تم لوگوں کے مقابلہ امتیاز اور بڑائی اختیار کروں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو پسند نہیں کرتے ہیں، جو اپنے ساتھیوں میں بڑے بنتے ہوں: **"فان اللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ یکرہ عن عبدہ ان یراہ متمیزا بین اصحابہ۔" (کشف الخفاء:251/1)**

آپ اپنے رفقاء کے ساتھ اس طرح رہتے تھے کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی میں سے ایک ہیں، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے یہاں تشریف لے جاتے تھے، ان کے بچوں کو سلام کرتے تھے، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے اور انہیں دُعائیں دیتے تھے۔ (سنن بیہقی، عن انس، باب ابناء الانصار: حدیث نمبر:8291) حضرت سہل بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ آپ مسلمانوں میں سے کمزور لوگوں کے پاس تشریف لاتے تھے، ان سے ملاقات کرتے تھے اور ان کے جنازوں میں شریک ہوتے تھے۔ (مستدرک حاکم، باب تفسیر سورۃ ق، حدیث نمبر:3735) حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰؓ نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیواؤں اور مسکینوں کے لئے چلنے اور ان کی ضرورت پوری کرنے میں کوئی عار نہیں ہوتا تھا۔ (نسائی، باب مایستحب من تقصیر الخطبۃ، حدیث نمبر1413)

بہت سے لوگ جو دیہاتوں کے رہنے والے تھے، عام طور پر تہذیب ناآشنا ہوتے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتوں کو بھی خندہ پیشانی سے سہ جاتے تھے، ایک موقع پر ایک دیہاتی شخص نے اس زور سے چادر مبارک کھینچ دی کہ گردن مبارک پر نشان پڑگیا، آپ نے صرف اس قدر فرمایا کہ تم اسے بھلے طریقہ پر بھی تو کہہ سکتے تھے۔ (بخاری، کتاب فرض الخمس حدیث نمبر: 3149) حضرت جبیر ابن مطعمؓ کہتے ہیں کہ غزوۂ حنین سے واپس ہوئے تھے جب ڈھیر سارا مال غنیمت آیا تھا، لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگتے ہوئے اس قدر دِق کردیا کہ آپ

ایک درخت سے جاگے، ایک دیہاتی نے چادر مبارک تک کھینچ لی، آپ کھڑے ہوگئے اور ارشاد فرمایا: اگر میرے پاس ان درختوں کے میدان کے برابر جانور ہوتے تو میں اس کو بھی تمہارے درمیان تقسیم کردیتا، تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل نہیں پاؤ گے۔ (صحیح بخاری، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعطی المؤلفۃ قلوبھم الخ، حدیث نمبر 3148)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ نہ صرف مالی جہت سے حسن سلوک کرتے تھے، بلکہ ان کو مشورہ میں بھی شامل رکھتے تھے، حالانکہ آپ کو ضرورت نہیں تھی، لیکن اپنے ساتھیوں کی دل داری اور مشورہ کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ فرمایا کرتے تھے، کثرت سے اپنے ساتھیوں سے کہتے تھے، اے لوگو! مجھے مشورہ دو: "اشیروا علی ایھا الناس۔" (مسلم، باب نقض الکعبۃ و بنائھا، حدیث نمبر: 402)۔ چنانچہ غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کا فیصلہ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے ہوا، بلکہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات اپنی رائے پر اپنے رفقاء کی رائے کو ترجیح دیتے تھے، جیسا کہ غزوۂ احد میں ہوا۔ (سیرۃ ابن ہشام: 2/06) حالانکہ بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ آپ ہی کی رائے درست تھی، لیکن کبھی آپ نے ان ساتھیوں پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، جن کے مشورہ پر عمل کیا گیا تھا اور جو بظاہر مسلمانوں کے لیے نقصان کا سبب ہوا۔

جہاں آپ اپنے رفقاء کی مادی ضرورتوں کا اور دل داری وحسن سلوک کا لحاظ رکھتے تھے، وہیں ان کی دینی تربیت پر بھی متوجہ رہتے تھے، آپ نے ایک صاحب کو تیز تیز نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، پوری توجہ سے ان کی نماز کا جائزہ لیا اور پھر ان کو اعتدال و میانہ روی کے ساتھ نماز پڑھنے کی تلقین کی۔ (مسلم، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر: 397) ایک موقع پر اپنے رفقاء سے فرمایا: جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھا کرو۔ "صلوا کما رایتمونی اصلی۔" (بخاری، باب رحمۃ الناس و البھائم، حدیث نمبر: 6008) حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: شاید اس کے بعد پھر میرا اور تمہارا حج ایک ساتھ نہ ہو پائے، اس لئے مجھ سے ضروری حج کا طریقہ سیکھ لو۔ "لتأخذوا مناسکم" (مسلم، حدیث نمبر: 1297)، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن پڑھوا کر سنا۔ (مسلم، حدیث نمبر: 801) حضرت ابوبکرؓ سے اپنے سامنے ایک مقدمہ کا فیصلہ کروایا۔ (کنز العمال: 5/128) حضرت معاذ بن جبلؓ کو اجتہاد کے اصول بتلائے۔ (ترمذی، کتاب الاحکام، حدیث نمبر: 1327) حضرت علیؓ کو قضاء کا کام سپرد کرتے ہوئے نئے پیش آنے والے مسائل کے حل کا منہج سمجھایا، کہ ان مسائل میں انفرادی رائے قائم کرنے کے بجائے اجتماعی غور وفکر کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ (المعجم الاوسط 1618)

دینی تربیت ہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام تر نرمی، رحم دلی، تواضع اور خوش اخلاقی کے باوجود احکام شریعت کے معاملہ میں سختی سے کام لیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بہت چاہتے تھے، عرب کے ایک معزز قبیلہ کی ایک خاتون نے چوری کرلی تھی اور اس پر شرعی سزا جاری کرنے کا مسئلہ تھا، حضرت اسامہؓ نے اس کے حق میں سفارش کی، تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، آپ نے نہ صرف ان کی تنبیہ کی، بلکہ اس موقع سے خطبہ بھی ارشاد فرمایا: گذشتہ قومیں اسی بنیاد پر ہلاک کردی گئیں، کہ ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو لوگ انہیں چھوڑ دیتے اور کوئی معمولی آدمی چوری کرتا تو اس پر سزا جاری کرتے، خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔ (بخاری، حدیث نمبر 3475)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کا بھی خیال رکھتے کہ اگر اپنے رفقاء کے درمیان کوئی رنجش پیدا ہوجائے تو اسے دُور فرمادیں، ایک بار تو ایسا ہوا کہ آپ قبیلہ بنو عوف میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے اور اس کوشش میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ

حضرت بلالؓ نے نماز کے لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو آگے بڑھادیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں آکر شریک ہوئے۔ (بخاری، عن سہل بن سعد ساعدی، باب من دخل لیؤم من الناس، الخ، حدیث نمبر 1684) اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کے درمیان، مہاجرین و انصار کے درمیان، اور انصار کے دو قبائل اَوس و خزرج کے درمیان اختلاف کو دور کرنے کی کامیاب کوشش کی اور میل ملاپ کے ماحول کو باقی رکھنے کا سبق دیا۔

اپنے احباب کے ساتھ اس حسن سلوک کا نتیجہ تھا کہ ہر صحابی کا دل آپ کی محبت سے لبریز ہوتا، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ بعض لوگ وہ تھے، جو دنیاوی مفاد کے لئے اسلام قبول کرتے تھے، لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد ان کو مسلمان ہونا دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے عزیز تر ہوجاتا تھا۔ (مسلم، باب ما سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً قط، فقال: لا، وکثرۃ عطائہ، حدیث نمبر: 2312)

غرض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات اپنے دوستوں، بے تکلف ساتھیوں، ہم عمروں اور رفقاء کار کے ساتھ خوشگوار برتاؤ کی ایک بہترین مثال ہے۔

●●●

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف بیس روپے اور سالانہ خریداری -/200 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم "ادارہ رضوان" کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہوسکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ "رضوان" خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی و کاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور "رضوان" کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کرسکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں Cantt. No. : 9415911511

مولانا سید رابع حسنی ندوی

سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں

انسانی زندگی کے اصلاح وفلاح کا بہترین نمونہ

مغربی دنیا لطیف انسانی جذبات سے عاری ہونے کی بناء پر خالص مادی وملحدانہ زندگی کے بے رحم اثرات سے اکتا گئی ہے۔ "دین مسیح" سے اس کا تعلق چونکہ صرف نام کا ہے، لہٰذا اس سے اس کو دینی اور روحانی خلا کو پر کرنے کا فائدہ حاصل نہیں ہوا، ایسے کسی فائدہ کی تلاش میں ادھر اُدھر بھٹک رہا ہے، جس کے ذریعہ وہ ناکامی و نامرادی کو دور کرسکے اور ضلالت وگمراہی سے نکل کل روشنی کی طرف آسکے، اس جانکنی کے عالم میں اگر کوئی دین اس کی ضرورت کو پورا اور اس کی ڈوبتی نیا کو پار لگا سکتا ہے، تو وہ ہے "دین اسلام"۔

لیکن اسلام مخالف اہل سیاست اسلام کو خراب شبیہ میں پیش کرنے کے سلسلہ میں دنیا کے سامنے اسلام کی ایسی تصویر پیش کررہے ہیں جو دہشت گردی اور قتل وغارت گری کا تصور پیش کرتی ہے، حالانکہ اسلام امن وسلامتی، اخوت ومحبت اور انسانیت کا مذہب ہے، اگر مغرب کے اہل فکر و اہل سیاست دنیا کے سامنے اسلام کی یہی تصویر پیش کرتے رہے تو دنیا اسلام سے اور دور ہوتی چلی جائے گی اور اس میں اسلام سے بدگمانی اور اعراض بڑھتا چلا جائے گا۔

ایسے حالات میں ہم مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ مغرب کے سامنے اسلام کو اس طور پر پیش کریں کہ اسلام مغرب کا نجات دہندہ ہے، جو اسے اخلاقی و معاشرتی تباہیوں پر مبنی زندگی سے نجات دلانے والا ہے، جس سے آج اہل مغرب عاجز آچکے ہیں اور اس سے بھاگ کر مشرق و مغرب میں صلاح وفلاح کے کسی حل کی تلاش میں ہیں، اب اگر ایسی حالت میں اسلام کے صاف ستھرے چہرہ اور اس کے ہم دردانہ وخیر خواہانہ پہلو کو نہیں پیش کیا گیا تو اسلام ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل نہیں کرپائے گا، اور پراگندہ خاطر انسان کو سکون نہ مل سکے گا، اس وقت کا انسان ایسی پناہ گاہ کی تلاش میں ہے جہاں اسے اپنے کرب والم سے راحت و سکون میسر ہو، اس سلسلہ میں متعدد مثالیں دنیا کے سامنے آرہی ہیں، ایسے حالات میں داعیان اسلام کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اسلام کے تعارف کا صحیح، موثر اور دلکش طریقہ اختیار کریں، اس لیے کہ انسانوں کی ہدایت اور انسانیت کی رہبری کی ذمہ داری انہی پر ڈالی گئی ہے، ارشاد ربانی ہے: (کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر) کہ تم بہترین امت ہو، تم کو اس لئے برپا کیا گیا ہے کہ تم لوگوں کو اچھائی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔

دعوت اسلام کے میدان میں کام کرنے والوں کی اس وقت کئی قسمیں ہیں، ان ہی میں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو اسلام کے نظام خیر وصلاح کو طاقت وشدت سے اختیار کرکے جبر وقہر کا تصور پیش کررہے ہیں اور اسی طریقہ کو اسلام کو غالب کرنے کے مقصد کے لئے اس کی اساسیات میں شمار کراتے ہیں، حالانکہ یہ عمل سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سراسر خلاف ہے، اس لئے کہ آپ کا طریقہ کار تو یہ تھا کہ آپ تو منافق کو قتل سے بھی احتراز کرتے تھے، حالانکہ آپ کو بخوبی علم تھا کہ منافق کافر سے زیادہ مسلمانوں کے لئے خطرہ ہے، لیکن آپ ایسا اس لئے کرتے تھے، تاکہ لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد تو اپنے ہی ساتھیوں کا قتل کردیتے ہیں، یعنی محمد یہ سب تخت اقتدار کے حصول کے لیے کررہے ہیں، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اپنی کوششوں کا یہ مقصد دیا تھا کہ:

"ابتعثنا الله لنخرج الناس من عبادة العباد الى عبادة الله وحده و من جور الاديان الى عدل الاسلام، و من ضيق الدنيا الى سعتها" (اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس لیے برپا کیا ہے کہ لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی کی طرف لائیں، مذاہب کے ظلم وجور سے نکال کر دین اسلام کے عدل و

انصاف کی طرف لائیں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعت کی طرف لائیں)۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جو اسلام کے تعارف میں صرف نظریاتی چیزوں کو پیش کرتا ہے اور اسلامی نظریات کو مغربی نظریات کے مروجہ سانچہ میں ڈھال کر لوگوں کے سامنے رکھتا ہے، لیکن افسوس کہ اسے یہ نہیں معلوم کہ مغربی افکار و نظریات مرور وقت کے ساتھ بالکل فرسودہ ہو چکے ہیں کہ خود اہل مغرب اب انہیں پس پشت ڈال رہے ہیں، کیونکہ نہ تو اس میں زندگی کے لیے کچھ راحت و سکون ہے اور نہ دل و دماغ کے لیے ایک پل کا قرار ہے، اسی وجہ سے اہل مغرب اس طرح کے نظریات پر مبنی زندگی کو چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں اور وہ اپنی زندگی کی تمام تر ضرورت کو خیر باد کہہ کر ہر طرح کے قید و بند سے آزاد زندگی کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مغرب نے خوب ترقی کی، اس نے شہری ترقیات، معاشی وسائل، فوجی، اقتصادی و سیاسی نظام کو بہتر بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، اس نے ذہنی الجھنوں کو ختم کرنے اور انسان کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے ممکنہ حد تک تمام کوششیں کر ڈالیں، لیکن اس کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں، ان کا کوئی ثمرہ نظر نہیں آیا، آج مغرب کے نوجوانوں کی حالت ایسی بدتر ہو گئی ہے کہ وہ اپنے مسائل کے حل کے لیے در در ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں، اس کا سبب صرف اخلاقی گراوٹ اور ذہنی پراگندگی ہے، جس سے آج پورا مغربی معاشرہ دوچار ہے، یہ دراصل ان کی دینی و اخلاقی پابندیوں سے آزاد تہذیب کا نتیجہ ہے اور یہی دو چیزیں ان کے ذہنی کرب اور نفسیاتی بے چینی و بے قراری کا سبب اور ان کی اخلاقی بیماریوں اور روحانی امراض کی وجہ ہے، چنانچہ یہ امراض تبھی دور ہوں گے جب وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کو گلے لگائیں گے اور خاص طور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اپنی زندگی کا جزو لاینفک بنائیں گے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کو اپنے خالق سے تعلقات استوار رکھنے کا حکم دیا ہے اور اعتدال و میانہ روی کے ساتھ راحت و سکون کے ذرائع کو استعمال کرنے کا طریقہ سکھایا ہے، صرف دنیاوی لذتوں کو اپنا مقصود نظر اور عیش و آرائش کے وسائل کو ہی اپنا مقصد حیات بنانے سے منع فرمایا ہے، ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت زندگی سے دست برداری اور رہبانیت کی مخالفت کی ہے اور ارشاد ربانی ہے کہ: **(قل من حرم زينة الله التي اخرج لعباده والطيبات من الرزق قل هي للذين آمنوا في الحياة الدنيا خالصة يوم القيامة)**۔

دنیاوی زندگی کے تعلق سے صحیح نظریہ یہ ہے کہ اس کی تمام نعمتیں محدود اور ختم ہونے والی ہیں اور یہ دنیا دھوکے کا سامان ہے، لہٰذا اس کے سلسلہ میں اعتدال پسندی کی راہ اختیار کی جائے اور دل کو اس سے اس طور پر منسلک کیا جائے کہ اس کے لئے اس کو چھوڑنا دشوار نہ ہو۔

آج مغرب اپنے خود غرضانہ اقتصادی نظام کو چھوڑ کر کسی نئے اقتصادی نظام کا محتاج نہیں، وہ اپنی خود غرضانہ طبیعت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے اختیار کردہ سیاسی نظام کو ترک کر کے کسی دوسرے سیاسی نظام کی ضرورت نہیں سمجھتا، کیونکہ اس نے اپنے اختیار کردہ نظام کے سایہ میں تمام تر دیگر ترقی یافتہ نظاموں کا تجربہ کر لیا اور علوم و فنون کے تمام مدارج طے کر لیے ہیں، تو اب وہ مزید کسی نئے نظام کا خواہاں نہیں، اگر اسے کسی چیز کی ضرورت ہے تو صرف قلبی و ذہنی اطمینان و سکون کی ہے، جسے اس کا اختیار کردہ سیاسی و اقتصادی نظام نہیں پورا کر پا رہا ہے، اب اگر کوئی چیز قلبی اطمینان و راحت کا سبب بن سکتی ہے تو وہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی بتائی ہوئی تعلیمات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایات ہیں اور انسانی معاشروں میں اس کی کمی ہے۔

داعیان اسلام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ معتدل انداز میں وسائل زیست سے لطف اندوزی کا زندۂ جاوید نمونہ پیش کریں اور ان کے استعمال میں اسلام کی تعلیمات کو اختیار کریں اور یہ چیز علمی طریقۂ کار کے بجائے عملی طریقہ کو اختیار کرنے سے حاصل ہوگی، لیکن علمی طریقۂ کار کو اس نظریہ کا معاون و مساعد ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ اسلام کو سنت نبوی اور صحابہ کرام کے طریقہ کے مطابق پیش کیا جائے، اس لئے کہ ان دونوں کے علاوہ کسی اور طریقہ میں انسانی مسائل و مشکلات کا علاج نہیں ہے۔ ○○

دوسری قسط

علامہ سید سلیمان ندوی

تبلیغ نبوی ﷺ اس کے اصول اور اس کی کامیابی کے اسباب

میدان جنگ میں تبلیغ

ناواقفوں نے ایک اور مسئلہ کی بھی غلط تعبیر کی ہے، اسلام کی امن پسندی نے یہ قانون بنایا ہے کہ اگر کسی مخالف قوم سے لڑائی آپڑے تو میدان جنگ میں پہنچ کر بھی صلح و آشتی کا خیال دور نہ کیا جائے، بلکہ تلوار کے فیصلہ سے پہلے دو باتیں ان کے سامنے پیش کرنی چاہئیں: اوّل یہ کہ تم کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوجاؤ اور لڑائی سے ہاتھ اٹھا کر ہمارے بھائی بن جاؤ، اگر ایسا کرلو تو تم دین، حکومت اور عزت کے تمام حقوق میں ہمارے برابر ہوجاؤ گے۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو اپنے مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت قبول کرلو، اس حالت میں تمہاری حفاظت کی ہر قسم کی ذمہ داری ہمارے سر ہوگی۔ اگر وہ ان دو میں سے کوئی بات قبول کرلیں تو ان سے لڑنا جائز نہیں، اسلام کی تاریخ میں ایسے کتنے منظر ہیں کہ کسی دشمن سے دشمن قوم نے اسلام یا محض اطاعت قبول کرلی ہے اور خونریزی رک گئی ہے اور لڑائی کا میدان محبت و آشتی کی بزم بن گئی ہے۔

یہ قانون جو سرتاپا امن پسندی، سلامت طلبی اور خونریزی سے بچنے کی آخری کوشش پر مبنی ہے اس کو مخالفوں نے اس صورت میں پیش کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کی تعلیم دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کسی فوج کو متعین کرتے تو سردار کو یہ ہدایت فرماتے:

”جب تو مشرکوں میں سے کسی دشمن قوم سے مقابل ہو تو اس کو تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے قبول کرنے کی دعوت دے، ان میں سے جو بات بھی وہ مان لے اس کو قبول کرلے اور اس پر حملہ کرنے سے رک جا۔

اس کو اسلام کی دعوت دے، اگر وہ قبول کرلے تو پھر اس سے رک جا، اس کے بعد اس سے خواہش کر کہ وہ مسلمانوں کے ملک میں آجائے تو اس کا وہی حق ہوگا جو مسلمانوں کا ہے، اگر وہ نہ مانے تو اس کی حالت بدو مسلمانوں کی سی ہوگی، قانون اس پر مسلمانوں کا جاری ہوگا، لیکن غنیمت اور فئی میں اس کا حصہ نہ ہوگا جب تک وہ جہاد میں شرکت نہ کرے، اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو اس کو جزیہ دے کر ذمی بننے کو کہہ، اگر وہ اس کو مان لے تو اس سے بھی رک جا، اگر وہ اس کو بھی نہ مانے تو پھر خدا کی مدد مانگ اور لڑائی شروع کردے۔“ (**صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب تامیر الامام الامراء علی البعوث و وصیته ایاهم بآداب الغزو وغیرها۔ 2/62**)

یہ وہ اصول جنگ ہیں، جس سے خونریزی کی روک تھام مقصود تھی، نہ یہ کہ کسی کو مجبور کرکے بہ زور شمشیر مسلمان بنالینا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں ایرانیوں سے جب لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے تین روز تک میدان جنگ میں تلوار نہیں اٹھائی، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تین روز تک ان کو سمجھاتے رہے اور کہتے رہے کہ میں تمہاری قوم سے ہوں لیکن دیکھتے ہو کہ عرب میرے زیر فرمان ہیں، اگر تم بھی مسلمان ہوجاؤ تو تم کو بھی وہی حقوق ملیں گے جو ہمارے ہیں اور اگر تم اپنے ہی مذہب پر رہنا چاہو تو جزیہ دے کر رہ سکتے ہو لیکن محکوم ہوکر رہو گے۔

(جامع ترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی الدعوۃ قبل القتال، ص/268)

اس سے معلوم ہوا کہ جنگ میں دشمن کو بھی تبدیل مذہب پر مجبور نہیں کیا گیا بلکہ اس کے سامنے دوسری راہیں بھی کھلی تھیں۔

ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ بنی حنیفہ میں سے تھے اور یمامہ کے رئیس تھے، یہ وہ قبیلہ ہے، جو آخر تک سرکش رہا اور اسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر زمانہ میں مسیلمہ کذاب پیدا ہوا تھا، ثمامہ اتفاق سے مسلمانوں کے ایک لشکر کے ہاتھ میں گرفتار ہوگئے اور مدینہ لاکر مسجد نبوی کے ایک ستون میں باندھ دیئے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لائے تو پوچھا کہ ثمامہ تمہاری کیا رائے ہے؟ جواب دیا: محمد! میری رائے اچھی ہے، اگر مجھے قتل کرو گے تو ایک خون والے کو قتل کرو گے اور اگر احسان کرو گے تو ایک شکر گزار پر احسان ہوگا اور اگر زر فدیہ چاہتے ہو تو جو مانگو گے دیا جائے گا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا۔ پھر اسی طرح دوسرا دن سوال و جواب ہوا، پھر تیسرے دن ہوا۔ تیسرے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو، لوگوں نے کھول دیا۔ وہ رسی سے کھل کر آزاد ہوگئے مگر سچائی کی زنجیر ان کے پاؤں میں پڑ گئی، مسجد نبوی کے قریب ایک نخلستان میں جا کر غسل کیا اور پھر مسجد نبوی میں آکر کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگئے۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب وفد حنیفۃ وحدیث ثمامۃ ابن اثال 2/627 وسنن ترمذی باب ربط الاسیر)۔

کیا کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کے لیے اس سے بہتر موقع مل سکتا تھا؟ بدر کے قیدی گرفتار ہوکر آئے لیکن ان سے یہ نہیں کہا گیا کہ تلوار یا اسلام۔ اسی طرح جنگ کے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ رہا، قرآن پاک نے جنگ کے قیدیوں کے متعلق کہا:

فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً

(سورہ محمد: 47/4)۔

لڑائی ختم ہونے کے بعد قیدیوں کو چھوڑ دو یا تو ان پر احسان کرکے یا فدیہ لے کر۔

یہ ارشاد نہ ہوا کہ "اسلام یا تلوار"

غزوۂ خیبر میں مسلمان روزانہ بعض قلعوں پر حملہ کرتے ہیں اور ناکام رہتے ہیں، بالآخر شیر خدا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو حکم ہوتا ہے کہ فوج لے کر جائیں، وہ پوچھتے ہیں: یا رسول اللہ! کیا میں ان سے لڑوں یہاں تک کہ وہ ہماری طرح ہوجائیں؟ فرمایا:

"آہستگی سے روانہ ہو یہاں تک کہ ان کے میدان میں پہنچ جاؤ، پھر ان کو اسلام کی طرف بلاؤ اور اس میں ان کا جو حق ہوگا وہ ان کو بتاؤ، اللہ کی قسم! اگر ایک شخص کو بھی خدا تمہارے ذریعہ سے ہدایت دے دے تو اس سے بہتر ہے کہ تمہاری ملکیت میں سرخ اونٹ ہوں۔" (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخیبر -2/606)

اس کے بعد خیبر کے یہود نے اسلام کا مذہب تو قبول نہیں کیا بلکہ اسلام کی حکومت قبول کرلی اور مصالحت ہوکر تلوار نیام میں کرلی گئی۔

اسی طرح ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر ہتھیار اٹھانا جائز نہیں بلکہ کفر کا موجب ہے، کفار کو مسلمانوں کا یہ طرز عمل معلوم تھا، اکثر لڑائیوں میں جب مشرک حملہ آور اپنی کمزوری محسوس کرتا تھا تو اپنی جان بچانے کے لیے کلمۂ توحید پڑھ دیتا تھا اور ایک بپھرے ہوئے مسلمان کو مجبوراً اپنے غصہ کو ضبط کرکے ہاتھ روک لینا پڑتا تھا۔

ایک دفعہ ایک صحابی نے پوچھا کہ لڑائی میں میرا حریف اپنی تلوار سے میرا ہاتھ اڑا دے اور جب میرے حملہ کی باری آئے تو وہ درخت کی آڑ پکڑ کر کہے میں مسلمان ہوتا ہوں، تو اے اللہ کے رسول! میں کیا کروں، اس کو قتل کروں؟ فرمایا نہیں، اس کا قتل جائز نہیں، عرض کیا یا رسول اللہ! میرا ہاتھ اس نے کاٹ ڈالا، فرمایا:

"پھر بھی اس کا قتل جائز نہیں کہ اگر تم نے اب اس کا قتل کیا تو وہ، وہ ہوگیا جو تم اس کے قتل سے پہلے تھے اور تم وہ ہوجاؤ گے جو وہ اس اقرار توحید سے پہلے تھا۔"

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات لا یشرك بالله۔ الخ:1/51)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما آپ کے بڑے چہیتے خادم تھے، وہ ایک فوجی دستہ کے سپہ سالار بنا کر ایک لڑائی میں بھیجے گئے، جب گھمسان کا رن پڑا تو ایک کافر ان کی زد میں آیا، انہوں نے حملہ کا قصد کیا تو وہ لا الہ الا اللہ پکار اٹھا، ایک انصاری جو پہلے اس پر جھپٹے تھے وہ تو رک گئے مگر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کافر کے اس کلمہ پڑھنے کو اس کی جان بچانے کے فریب پر محمول کر کے کچھ خیال نہ کیا اور نیزہ سے اس کا کام تمام کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت اسامہؓ سے سخت آزردہ ہوئے، حضرت اسامہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے صرف تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کتنا بلیغ فقرہ فرمایا:

"اے اسامہ! کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔"

پھر برابر یہ فرماتے رہے:

"اے اسامہ! تم قیامت میں اس کے لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے؟"

حضرت اسامہؓ کہتے ہیں کہ مجھ کو اتنی ندامت تھی کہ میں نے دل میں آرزو کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من مات لا یشرك بالله۔ الخ:1/51-52)

دیکھو کہ واقعہ کی تصویر کتنی الٹ دی گئی ہے، واقعہ تو یہ تھا کہ اپنی حملہ آورانہ لڑائی کے گھمسان میں بعض کفار و مشرکین جن کو یہ معلوم تھا کہ کسی کلمہ گو کو مسلمان اپنے مذہب کے حکم کے بموجب قتل نہیں کرتے، جب وہ مسلمانوں کی زد میں پڑتے تھے تو اپنی جان بچانے کے لیے فوراً کلمۂ شہادت پڑھ دیتے تھے اور بیان اس صورت میں کیا جاتا ہے کہ اسلام نے کفار کو تلوار کی نوک سے کلمہ پڑھنے پر مجبور کیا، یہ صداقت ہے؟

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور اعلان ہے جس کو اکثر غلط معنیٰ میں پیش کیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أمرت ان أقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا الله۔"

(مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑائی کروں جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کریں اور جب وہ اقرار کر لیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے بچا لیا اور ان کی نیت کی پرسش خدا کا کام ہے)۔

اس حدیث کا مقصد صرف اسی قدر ہے کہ مسلمان سے لڑنا تو جائز نہیں لیکن کسی غیر مسلم قوم سے بھی لڑنا اسی وقت جائز ہے جب تک وہ توحید کا اقرار نہ کرے اور جب اس نے یہ کر لیا تو پھر اس سے بھی لڑنا روا نہیں خواہ وہ حملہ کے ڈر سے لا الہ الا اللہ پڑھے یا سچے دل سے اس نے یہ اقرار کیا ہو، اس کی تحقیق کہ کس نیت سے اس نے کلمہ پڑھا، انسان کا فرض نہیں، اللہ کا ہے۔

یہ بالکل ایک مصالحانہ اعلان ہے لیکن لوگ اس کو اس معنی میں پیش کرتے ہیں کہ گویا اسلام کا حکم یہ تھا کہ مسلمان دیوانہ وار تلوار لئے پھرتے اور جس کو پاتے اس کو ڈرا دھمکا کر کہتے کہ کلمہ پڑھو، ورنہ سر قلم کر دیں گے۔ غور کرو! اگر یہ حکم ہوتا تو قیدی اقرار توحید کیے بغیر اس آسانی سے چھوڑے جاتے اور ہاری ہوئی قوموں سے اسلام نہیں، صرف چند درہم کا جزیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جاتا؟ اور کیا مسلمانوں کو یہ اجازت ملتی کہ:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا۔ (سورۂ انفال:8/61)

اور اگر کفار کا محارب فریق صلح کے لئے جھکے تو آپ بھی جھک جائیے۔

بلکہ اس کے بجائے یہ حکم ہوتا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں ان سے صلح نہ کرنا۔ نیز کیا مسلمانوں کا یہ حکم ہو سکتا تھا کہ:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ۔ (سورۂ توبہ:9/6)

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ

سے پناہ کا طالب ہو تو اس کو پناہ دے دیجئے، کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو جانتے نہیں۔

بلکہ یہ ہوتا کہ پناہ ملنے اور کلام الٰہی سننے کے بعد وہ مسلمان نہ ہو تو اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچانے کے بجائے اس کو قتل کر کے جہنم میں پہنچا دو، مگر ایسا نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی امن پسندی اور رواداری کے مفہوم کو کس طرح الٹ کر بیان کیا جاتا ہے، حالانکہ اسلام نے ان مشرکوں سے بھی جو ہمارے کسی دوست، مشرک قبیلہ کے دوست ہوں اور ہم سے صلح و آشتی کے ساتھ رہنا چاہتے ہوں، لڑنے کو منع کیا ہے:

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ، فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا۔ (سورہ نساء:4/90)

تو اگر وہ تم سے کنارہ پکڑیں پھر نہ لڑیں اور تمہارے سامنے صلح کی طرح ڈالیں تو اللہ نے تم کو ان پر حملہ کرنے کی راہ نہیں دی۔

یعنی پھر ان پر تلوار اٹھانا درست نہیں، حالانکہ اگر اسلام کی مذہبی جنگ جوئی کے وہی معنی ہوتے کہ "یا تلوار یا اسلام" تو کیا اس امن پسندی، اس صلح جوئی اور اس ترک جنگ کی صورت ممکن ہو سکتی تھی۔

مسلح تبلیغی جماعتیں

غلط فہمی پھیلانے کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت کے لیے جو جماعتیں ملک میں بھیجی جاتی تھیں وہ مسلح ہوتی تھیں، لیکن یہ حقیقت بھلا دی جاتی ہے کہ یہ عرب کا واقعہ ہے جہاں کوئی منتظم اور باضابطہ حکومت نہ تھی، جس پر تمام رعایا کی حفاظت کی ذمہ داری ہو، ایک ایک وادی میں ایک ایک قبیلہ اپنی اپنی الگ الگ ریاست قائم کیے ہوئے تھا اور ہر قبیلہ دوسرے قبلہ سے برسرپیکار تھا، راستوں پر رہزنوں اور ڈاکوؤں کا قبضہ تھا، جن سے اکا دکا آدمی کا صحیح و سالم بچنا ناممکن تھا، اسی لیے جب کہیں کوئی تبلیغی مہم بھیجی جاتی تھی تو بدامنی کے ملک میں رہنے والوں کے عام دستور کے مطابق وہ اپنی ممکن حفاظت کے لیے مسلح جاتی تھی اور اس بات کی دلیل اس مسلح جماعت کا تبلیغ و دعوت کے سوا کوئی مقصد نہ تھا، اس سے ظاہر ہے کہ ان کی تعداد تھوڑی ہوتی تھی جو فوجی حملہ کے لیے کافی نہیں ہو سکتی تھی۔

غزوۂ بدر کے بعد جب قریش کا زور ٹوٹ گیا اور ملک میں اسلام بھی ایک قوت شمار ہونے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بعض قبیلوں کی درخواست پر مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو تبلیغ و تعلیم کے لیے ادھر ادھر بھیجا، تب بھی وہ اکثر راستہ میں جان سے ماری گئیں، واقعہ رجیع میں 70 داعیوں کا مارا جانا، واقعہ بئر معونہ میں 6 یا 10 داعی مسلمانوں کا قتل ہونا، سریہ ابن ابی العوجا میں 50 مسلمانوں کی شہادت، واقعہ ذات اطلاح میں 14 داعی مسلمانوں کا تیروں سے مارا جانا، عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کا تیروں سے چھد جانا اور اس دعویٰ کی شہادت ہے۔

تبلیغ و دعوت کی تنظیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے، بنفس نفیس اس فرض کو انجام دیتے رہے، ایک ایک کے پاس جاتے اور حق کا پیغام سناتے، شہر سے نکل کر مکہ کے آس پاس جاتے اور آنے جانے والوں کو بشارت سناتے، مکہ سے نکل کر طائف گئے اور وہاں بھی اپنا فرض ادا کیا، یہ بھی خدا کی مصلحت تھی کہ اس نے اپنے آخری دین کا مرکز مکہ معظمہ کو قرار دیا، جو عرب کا مرکزی شہر تھا اور حج کے موسم میں تمام قبیلے خود یہاں آجاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سالہا سال حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے اور خدا کی دعوت پیش کرتے، اسی سالانہ تبلیغ سے اسلام کو وہ جماعت ہاتھ آئی جس کا نام انصار ہے۔

الغرض ان تبلیغی سرگرمیوں سے مکہ میں سیکڑوں آدمی مسلمان ہو چکے تھے، مگر قریش کے ظلم سے وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ سے وہ حبشہ کی طرف روانہ ہوئے، اس سفر کی مصلحت بھی عجیب و غریب تھی، ان مظلوم مسلمانوں کی ہجرت نے یہ موقع بہم پہنچایا کہ وہ اس مسافرت میں جہاں

جہاں سے گزرے، اسلام کی آواز پہنچاتے گئے، اور اس طرح یمن اور حبشہ دونوں ملکوں میں اسلام کی تحریک روشناس ہوئی۔

مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عام مسلمانوں میں سب سے پہلے مبلغ اور داعی حق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، مکہ کے بہت سے معزز گھرانوں کے پرجوش نوجوان ان ہی کی تبلیغ سے اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی کوششوں سے دائرہ اسلام میں آئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد اسلام کے دوسرے مبلغ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں جن کے مؤثر وعظوں کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ہی مدینہ کے گھرانے کے گھرانے توحید کے پرستار ہوگئے تھے۔

مدینہ منورہ آکر اسلام نے امن و اطمینان کی سانس لی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نومسلموں کی تعلیم کے لیے جو اطراف ملک سے دارالاسلام میں آتے تھے، نیز ملک کی مختلف گوشوں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے ایک جماعت قائم کی، جس کا نام عام طور سے اصحاب صفہ (چبوترے والے) مشہور ہے، اس میں بعض اوقات سو سے زیادہ آدمی داخل رہے ہیں، یہ لوگ ملک میں اسلام کی دعوت کے لیے بھیجے جاتے رہے اور خود نومسلمون کو تعلیم دیتے، بئر معونہ میں ستر کے قریب جو داعی اور مبلغ راستہ میں بیدردانہ قتل ہوئے تھے وہ اسی جماعت کے ارکان تھے۔

ان کے علاوہ وہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ جو وقتاً فوقتاً مختلف ملکوں، بادشاہوں، قوموں اور قبیلوں میں اسلام کی دعوت لے کر پھیلے، احادیث وسیر کی کتابوں میں ان کے نام متفرق طور سے ملتے ہیں، مین نے تھوڑی سی کوشش سے اس قسم کے پینتیس صحابیوں کے نام جمع کیے ہیں جنہوں نے از خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس فرض کو انجام دیا، ان کے نام یہ ہیں:

حضرت ابوذر غفاری، حضرت طفیل بن عمرو دوسی، حضرت جعفر طیار، حضرت عمرو بن عبسہ سلمی، حضرت ضماد بن ثعلبہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت مہاجر بن ابی امیہ، حضرت زیاد ابن لبید، حضرت خالد بن سعید، حضرت عدی بن حاتم، حضرت علاء بن حضرمی، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت معاذ بن جبل، حضرت جریر بن عبداللہ بجلی، حضرت دحیہ کلبی، حضرت عمرو بن امیہ ضمری، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت وبر بن نخیس، حضرت عروہ بن مسعود ثقفی، حضرت عامر بن شہر، حضرت منقذ بن حبان، حضرت ثمامہ بن اثال، حضرت محیصہ بن مسعود، حضرت احنف، حضرت ابوزید انصاری، حضرت عمرو بن مرہ، حضرت عیاش بن ربیع مخزومی، حضرت واثلہ بن اسقع، حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ، حضرت سلیط بن عمرو بن عبد شمس، حضرت شجاع ابن وہب اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ان ہی مبلغوں اور داعیوں اور قاصدوں کی پکار تھی، جس نے یمن، یمامہ، بحرین، حجاز اور نجد غرض پورے عرب کو بیدار کردیا اور عرب سے باہر ایران، شام، مصر اور حبش ہر جگہ اسلام کا پیغام پہنچ گیا۔

مبلغوں کی تعلیم وتربیت

سیرۃ النبی کی دوسری جلد کے آغاز میں اشاعت اسلام کی تاریخ اور دعات معلمین کی تعلیم وتربیت کا حال لکھا جاچکا ہے، سلسلہ بیان کے لیے یہاں صرف اس قدر کہنا ہے کہ ان کو سب سے پہلے قرآن پاک کی سورتیں یاد کرائی جاتی تھیں، لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شب وروز کے ارشادات سننے کا موقع بھی ان کو ملتا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تبلیغ کا درس اولین قرآن اور صرف قرآن تھا۔

دعوت بالقرآن

قرآن پاک اسلام کے دعویٰ اور دلیل دونوں کا مجموعہ ہے اور وہی اس کے مذہب کا صحیفہ ہے، خود آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم اور دوسرے مبلغ صحابہ کرامؓ بھی تبلیغ ودعوت میں صرف قرآن کی سورتیں پڑھ کر سناتے تھے اور جہاں ان کو اس کا موقع مل جاتا وہاں اس کی تاثیر اپنا کام کر جاتی تھی اور یہ فرض خود قرآن نے اپنا آپ قرار دیا تھا، اس کی تبلیغ کے لیے جہاد کی ضرورت تھی مگر اس جہاد کا ہتھیار لوہے کی تلوار نہیں بلکہ قرآن کی تلوار تھی، جس کی ضرب کی روک خود اور سپر سے بھی ممکن نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اسی تلوار سے جہاد کا حکم دیا اور فرمایا:

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا۔ (سورۃ فرقان:52/25)

اے پیغمبر! آپ کافروں کی اطاعت مت کیجیے اور اس (قرآن) کے ذریعہ ان کے ساتھ پورے زور سے جہاد کیجیے۔

اس پیغام الٰہی کے زمین پر اترنے کی غرض ہی یہ تھی کہ وہ خدا کے بھولے ہوئے بندوں کو ان کا عہد یاد دلائے، فرمایا:

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ۔ (سورۃ ق:50/45)

اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کو یاد دہانی کرائیے جو میری وعید سے ڈرتے ہوں۔

قرآن رحمت عالم کا پیام عمومی ہے اور یہی اس کے نزول کی غرض و غایت ہے، فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ (سورۃ فرقان-1/25)

بہت برکت والا ہے وہ جس نے حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب اپنے بندہ پر نازل کی تاکہ وہ تمام دنیا جہان کو خبردار و ہوشیار کرے۔ یہی قرآن اسلام کی طاقت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصلی ہتھیار تھا جس کی کاٹ نے کبھی خطا نہ کی۔

اشاعت اسلام کی قدرتی ترتیب

عرب میں صرف تین قومیں تھیں جن کا اسلام لانا گویا تمام جزیرہ نمائے عرب کا اسلام لانا تھا، یعنی مشرکین، یہود اور نصاریٰ۔ مشرکین عرب کا مرکز خانۂ کعبہ تھا اور ان کے مذہبی پیشوا قریش تھے۔ یہود کا صدر مقام مدینہ اور خیبر تھا۔ نصاریٰ اور مجوس شام اور یمن کے اطراف میں پھیلے ہوئے تھے۔

اس بنا پر الاقرب فالاقرب کے لحاظ سے اشاعت اسلام کی قدرتی ترتیب یہ تھی کہ قریش اور کفار مکہ کو پہلے دعوت توحید دی جاتی، پھر یہود کو حلقہ بگوش اسلام بنایا جاتا، اس کے بعد نصاریٰ اور مجوس کو دعوت دی جاتی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب کے ساتھ اسلام کی اشاعت کی اور اسی بنا پر قرآن مجید کا طریق دعوت مختلف نظر آتا ہے، تمام مکی سورتوں کے مخاطب کفار مکہ تھے اس لیے ان میں بت پرستی کی مذمت، توحید کی ترغیب، عجائب قدرت کا بیان، عذاب الٰہی سے تخویف اور صنادید قریش کی مخالفت کے جواب کے سوا کچھ نہیں، بلکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود سے سابقہ پڑا اور اب قرآن مجید کا طرز خطاب بدل گیا، چنانچہ ابتدائی مدنی سورتیں زیادہ تر یہود کی مذہبی تاریخ، ان کی تحریفات، ان کی اخلاقی کمزوریوں اور قصص بنی اسرائیل پر مشتمل ہیں، سب سے اخیر میں نصاریٰ کی باری آئی اور فتح مکہ کے بعد قبائل عرب کے وفود کے سلسلہ میں نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا، اسی زمانہ میں سورۂ آل عمران نازل ہوئی، جس میں نصاریٰ کا ذکر ہے۔

مجوس عرب میں بہت کم تھے، بحرین اور یمن میں خال خال وہ پائے جاتے تھے، وہ بھی ایرانی النسل تھے، خالص عرب نہ تھے، اس لیے قرآن مجید نے خاص طور سے کسی سورہ میں ان سے خطاب نہیں کیا ہے، البتہ جابجا مناسب موقعوں پر ان کا نام لیا ہے اور ان کے عقائد کی تردید کی اور ان کو ثنویت یعنی دو خداؤں کی پرستش کے بجائے توحید کی دعوت دی ہے۔

قبول اسلام کیلئے کیا چیز درکار تھی

اگرچہ یورپ کا یہ عام دعویٰ ہے کہ

عرب میں اسلام صرف تلوار کے زور سے پھیلا، لیکن ابتدا میں جن اشخاص اور جن قبائل نے اسلام کو قبول کیا، ان کے اوصاف کے پیش نظر کر لینے کے بعد صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اپنے لیے صرف اثر پذیر دل کا جویاں تھا اور جب یہ آشیانہ مل جاتا تھا تو اس کے سامنے یہ طائر قدس اپنے پر ڈال دیتا تھا، چنانچہ ابتدائے بعثت میں جن اشخاص نے اسلام قبول کیا، وہ وہی تھے جو نیک طبع، ایمان دار، راستی پسند اور حق جو تھے اور جو نبوت کے اوصاف و خصائص سے واقف تھے، گزشتہ آسمانی مذاہب سے کچھ نہ کچھ آگاہ تھے اور معاشرت اور تمدن سے بہرہ ور تھے، اشخاص کے علاوہ جن قبائل اور آبادیوں نے اسلام کے قبول کرنی میں پیش دستی کی وہ بھی وہی تھیں جن میں یہ خصوصیتیں پائی جاتی تھیں، عرب کے دو مختلف حصوں جنوبی و شمالی میں سب سے زیادہ اسلام کو کامیابی عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن، عمان، بحرین، یمامہ میں ہوئی اور شمالی حصہ میں سے مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں ہوئی، کیونکہ وہ تمدنی حیثیت سے دنیا کی ممتاز متمدن قوموں ایرانیوں اور رومیوں سے متاثر تھے اور مذہبی حیثیت سے یہودیوں اور عیسائیوں سے ان کا میل جول اور خلا ملا تھا، اہل مدینہ بھی یہودیوں کے تمدن و معاشرت روایات اور رسم و رواج سے بہت کچھ متاثر تھے۔

(مستدرك حاكم، كتاب النكاح، باب شان نزول آيت "نساؤكم حرث لكم" الخ. 2/195)

(صحيح على شرط مسلم)

اسلام کو عربوں سے جس قدر لڑائیاں پیش آئیں، وہ سب نجد اور حجاز میں پیش آئیں لیکن مسلمانوں کی کوئی جرار فوج مدینہ، یمن، یمامہ اور بحرین کو فتح کرنے کے لیے نہیں بھیجی گئی، انصار مدینہ نے خود مکہ میں آ کر اسلام کو لبیک کہا، اطراف مدینہ کے قبائل میں غفار نے خود مکہ آ کر قریش کی تلوار کی آگ میں کھڑے ہو کر لا الہ الا اللہ پڑھا، یمن سے دوس کے قبیلہ کے آدمیوں نے خود مکہ معظمہ پہنچ کر ایمان کی دولت حاصل کی اور اس کے سردار نے اپنا قلعہ اسلام کی پناہ کے لیے پیش کیا، اشعر کا قبیلہ بھی اسی زمانہ میں غائبانہ مشرف بہ اسلام ہوا، ہمدان کا قبیلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعوت پر ایک دن میں مسلمان ہو گیا۔

عمان کا بھی یہی حال ہوا، وہاں بھی اسلام نے صرف اپنی تبلیغی کوششوں کے ذریعہ سے اقتدار حاصل کیا، ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے کسی قبیلہ کے پاس ایک آدمی بھیجا، وہ لوگ اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور اس کو زدوکوب کیا، اس نے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اہل عمان ہوتے تو تم کو نہ گالیاں دیتے نہ مارتے۔

(صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل اهل عمان. 2/375)

یمامہ کے رئیس ثمامہ قید ہو کر مدینہ آئے، یہاں آزاد کر دیئے گئے مگر مدینہ کی مسجد میں جو جلوہ انہوں نے دیکھا، اپنی ظاہری مادی آزادی کے بعد بھی اس کی نورانی زنجیر سے انہوں نے رہائی نہ پائی، خود بہ خود مسلمان ہو گئے اور اپنے قبیلہ میں جا کر اسلام کے داعی بن گئے اور آخر خون کا ایک قطرہ گرے بغیر اسلام نے وہاں اکثریت حاصل کر لی۔

دیہاتوں میں سب سے پہلے قریہ جواثی نے صدائے توحید پر لبیک کہا جو مضافات بحرین میں تھا، اسی قریہ جواثی کے باشندے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، چنانچہ مسجد نبوی کے بعد عرب کے دیہاتوں میں سب سے پہلا جمعہ اسی گاؤں میں پڑھا گیا۔

(صحيح بخاري، كتاب الجمعه، باب "الجمعة في القرىٰ والمدن" 1/122)

بارگاہ نبوت میں عرب کے وفود اگرچہ فتح مکہ کے بعد حاضر ہوئے لیکن بحرین کے لوگوں نے اس میں تمام قبائل عرب پر پیش دستی کی، چنانچہ 5ھ میں سب سے پہلا وفد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ قبیلہ عبد قیس کا تھا جو بحرین میں سکونت گزیں تھا۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، "الامر بالایمان بالله" 27/1)

اہل یمن کا شمار اگرچہ مہاجرین اولین میں نہیں کیا جاتا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا حال معلوم ہوا، اسی وقت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی یمن سے 52 آدمیوں کو لے کر مدینہ کی طرف ہجرت کی غرض سے روانہ ہوگئے، بحری سفر تھا، وہ لوگ کشتی میں سوار ہوئے تو باد مخالف کے جھونکوں نے اس کو حبشہ میں پہنچادیا جو مسلمانوں کا سب سے پہلا دارِ ہجرت تھا، وہاں حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہیں اقامت کا حکم دیا ہے، تم لوگوں کو بھی یہیں ٹھہرنا چاہئے، چنانچہ وہ لوگ وہیں مقیم ہوگئے اور فتح خیبر کے زمانہ میں مہاجرین حبشہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (صحیح مسلم، فضائل جعفر ابن ابی طالب و اسماء بنت عمیس، 371/2)

یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ جہالت اور وحشت اور اس کی اشاعت کی سب سے بڑی محرک چیز تمدن، معاشرت اور اخلاق کی بلندی اور کتب آسمانی اور دیگر مذاہب سے واقفیت تھی، خود قرآن مجید نے اس کو ظاہر کیا ہے:

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ (سورۂ توبہ، 97/9)

دیہاتی بدوی کفر اور نفاق میں سب سے زیادہ سخت ہیں اور زیادہ اس کے اہل ہیں کہ وہ ان احکام کو نہ مانیں جو خدا نے اپنے رسول پر اتارے ہیں اور اللہ جانتا ہے اور حکمت والا ہے۔ اور بھی اس قسم کی آیتیں ہیں جو لوگ بادیہ سے آکر اسلام لائے تھے اور کچھ مسائل سیکھ کر واپس چلے جاتے تھے، ان سے جو بیعت لی جاتی تھی اس کا نام بیعت اعرابی تھا جو کم درجہ سمجھی جاتی تھی، اس بنا پر بادیہ میں الگ تھلگ رہنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں معیوب سمجھا جاتا تھا، بلکہ بعض لوگ اس کو ارتداد کی علامت سمجھتے تھے۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب "تحریم رجوع المهاجر ابی استیطان وطنه" 125/2) و سنن نسائی مع شرحه زهرا لربی، کتاب البیعة باب "المرتد أعرابیا بعد الهجرة" 184/2، (مصر)۔

.....جاری)

ماہنامہ رضوان کے بارے میں تفصیلات

(فارم نمبر ۸ کے مطابق)

مقام اشاعت : ۱۷/۵۴، محمد علی لین، کوئن روڈ، لکھنؤ-۱۸

دورانیہ اشاعت : ماہنامہ

پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر : محمد حمزہ حسنی

ملکیت : مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن

قومیت : ہندوستانی

پتہ : ۱۷/۵۴، محمد علی لین، کوئن روڈ، لکھنؤ-۱۸

میں محمد حمزہ حسنی اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میری سمجھ کے مطابق درست ہیں۔

دستخط

محمد حمزہ حسنی

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

کیا نہیں کوئی غزنوی کارگہ حیات میں

دنیا کے تمام مورخ اور تاریخ کے طالبعلم اس بات پر متفق ہیں کہ سلطان محمود غزنوی (پیدائش 357ھ مطابق 967ء) کا شمار دنیا کے بڑے فاتحین اور سپہ سالاروں میں ہے، لیکن اسی کے ساتھ محمود غزنوی کی شخصیت کو کم حیثیت دینے اور اسے الزام اور اتہام کا ہدف بنانے کی کوشش میں بھی کئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا، الزام یہ لگایا کہ وہ بس ایک ڈاکو اور لٹیرے کی طرح تھا اور اس کا کام لوٹ مار کرنا تھا، اور دولت جمع کرنا تھا، اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کی زبان پر یہ بات آتی ہے، سوال یہ ہے کہ بیٹھے بٹھائے اس نے ہندوستان پر حملہ کیوں کیا آخر ہندوستان کا کیا قصور تھا، کہ اسے لوٹا گیا اور بار بار لوٹا گیا، ہندوستان کو لوٹنے کا الزام تاریخ سے ناواقفیت کی وجہ سے لگایا گیا ہے، محمد بن قاسم ہوں یا سلطان محمود غزنوی دونوں میں سے کسی نے جنگ کی پہل نہیں کی تھی، اور بے وجہ ہندوستان پر حملہ نہیں کیا گیا تھا، محمد بن قاسم کے حملے کی وجوہات کا تذکرہ سب کو معلوم ہے، وہاں سندھ کے راجہ داہر کی سلطنت میں مسلمان تاجروں کی بیویوں اور بیٹیوں کو زبردستی پکڑ لیا گیا تھا اور حجاج بن یوسف کے خط لکھنے کے باوجود اس نے مسلمان عورتوں کو واپس کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی، اور محمود غزنوی کی داستان حیات میں پنجاب کے راجہ جے پال کی وحشیانہ حرکتیں اور بدعہدی کا انتقام شامل ہے، راجہ جے پال نے جنگ کی ابتدا کی تھی اور جنگ میں شکست کھانے کے باوجود اس نے تاوان جنگ ادا نہیں کیا تھا، جس کا اس نے وعدہ کیا تھا، محمود غزنوی کو مال وزر کی ہوس نہ تھی بلکہ اس کا مقصد راجہ جے پال کو سبق سکھانا تھا، اور ہندوستان کے ان تمام راجاؤں کو جو راجہ جے پال کے مددگار اور حلیف بن گئے تھے سبق دینا تھا، اسی لئے اس نے ہندوستان کے مختلف علاقوں پر کئی بار حملے کئے تھے، جس شخص نے بھی تاریخ کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا ہو اس کے لئے یہ تسلیم کرنا مشکل ہوگا کہ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان کے خلاف کسی جارحیت کا ارتکاب کیا تھا۔

سلطان محمود غزنوی کے والد کا نام امیر سبکتگین تھا، جس دور میں محمود غزنوی نے اپنی زندگی کا آغاز کیا، وہ عباسی سلطنت کے زوال اور انحطاط کا زمانہ تھا، اور جب کبھی مرکزی حکومت کمزوری سے دوچار ہوتی ہے تو دور دراز پر واقع چھوٹی چھوٹی ریاستیں سر نکالنا شروع کردیتی ہیں، چنانچہ وسط ایشیاء میں ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا، چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہوچکی تھیں، ان میں غزنی کی حکومت بھی آزادی کا اعلان کرچکی تھی، یہ اس وقت کی بات ہے جب 350 ہجری میں منصور بن عبدالملک بخارا کے تخت پر بیٹھا، اس کے دور حکومت میں سبکتگین نے اقتدار اور ترقی کے مراحل طے کئے، سبکتگین کی شادی بعض روایات کے مطابق اس کے آقا الپتگین کی بیٹی سے ہوئی اور یہی خاتون محمود غزنوی کی والدہ تھیں۔ الپتگین کا دور حکومت 351-365ھ تک پندرہ برسوں پر محیط ہے، جب اس کا انتقال ہوا، اس کا بیٹا اسحاق تخت حکومت پر بیٹھا لیکن جلد ہی اس کا انتقال ہوگیا، اور اس کی کوئی اولاد بھی نہیں تھی، تو امراء دربار کے مشورے سے سبکتگین کو غزنی کا حکمراں بنادیا گیا، کہا جاتا ہے کہ جس رات محمود پیدا ہوا اسی رات امیر سبکتگین نے خواب دیکھا کہ اس کے گھر کے آنگن میں ایک پودا اگ رہا ہے، جو اس کے دیکھتے دیکھتے ایک تن آور درخت میں تبدیل ہوگیا ہے، پھر اس کی شاخیں اتنی پھیلیں کہ لاتعداد لوگ اس کے سایہ میں بیٹھ گئے، اگر یہ روایت درست ہے تو اس خواب کی تعبیر یہ نکلی کہ مسلمانوں کی ایک نہیں کئی سلطنتیں ہندوستان میں اس

درخت کے سایہ میں پروان چڑھیں گی اور علم وتمدن اور تہذیب کا قافلہ اس درخت کے سایہ میں آرام کرے گا۔

ہندوستان میں پنجاب کے راجہ جے پال کی حکومت کی سرحدیں اور افغانستان میں غزنی کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں، اور راجہ جے پال کی فوجیں غزنی سرحدوں میں داخل ہوکر لوٹ مار کیا کرتی تھیں، راجہ جے پال کی چھیڑ چھاڑ کی وجہ سے امیر سبکتگین کی آتش غضب اکثر بھڑک اٹھتی، اور وہ اکثر انتقامی کارروائی کے بارے میں سوچنے لگتا، پھر راجہ جے پال نے امیر سبکتگین کے خلاف سندھ کی قرامطہ حکومتوں (جو بظاہر مسلمان تھے) کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا، اور غزنی کے خلاف جنگ چھیڑ دی، ملتان کے قریب پہلا معرکہ ہوا جس میں محمود نے اپنے والد سبکتگین کے ساتھ جنگ میں حصہ لیا، اور پہلی بار اسے میدان جنگ کا عملی تجربہ ہوا، اور جب دونوں طرف کی فوجوں نے ایک دوسرے کے خلاف اپنی تلواریں نیام سے باہر نکالیں تو پھر محمود غزنوی نے بھی اپنی تلوار نیام سے نکالی، اور پھر وہ کبھی دوبارہ نیام میں داخل نہیں ہوئی، کیونکہ اس کے بعد اس کی زندگی کا سارا حصہ تلوار زنی میں بسر ہوا، یہ جنگ جو ملتان کے قریب ہوئی تھی، تین دن تک جاری رہی جس کا فیصلہ سبکتگین کے حق میں ہوا، اور راجہ جے پال نے صلح کی درخواست کی، راجہ جے پال کے لئے تاوان جنگ یہ طے پایا کہ اسے دس لاکھ درہم کی خطیر رقم اور چالیس ہاتھی دینے ہوں گے، راجہ جے پال کو چونکہ میدان جنگ میں شکست ہوئی تھی اس لئے اس نے اپنے بعض امراء کو بطور ضمانت مسلمانوں کے سپرد کیا کہ تاوان جنگ کی ادائیگی کے وقت انہیں رہا کردیا جائے، لیکن جب تاوان جنگ کی وصولی کا وقت قریب آیا جو جنگ بندی کے معاہدے میں لکھا گیا تھا، تو امیر سبکتگین نے تاوان کی وصولی کے لئے اپنے کچھ نمائندے راجہ جے پال کے دربار میں بھیج دیئے، لیکن راجہ جے پال بھی ایک عجیب وغریب کردار کا آدمی تھا، وہ اپنے وعدے سے مکر گیا، اور تاوان دینے سے اس نے انکار کیا، اور اس نے سلطان غزنوی کے سفیروں کے ساتھ نہایت نامناسب سلوک کیا اور گرفتار کرلیا، یہ وہ بدعہدی اور عہد کی خلاف ورزی تھی جس نے امیر سبکتگین کو حد سے زیادہ برافروختہ کردیا، اور اس نے راجہ جے پال کے خلاف چڑھائی کا مصمم ارادہ کرلیا، اور جب سلطان سبکتگین کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا محمود غزنوی تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے راجہ جے پال کو پورے طور پر سبق سکھانے کا ارادہ کرلیا اور یہیں سے محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ جو بہت عرصے تک جاری رہا، اور اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے، اور ان تمام حکومتوں کو اپنے حملے کا نشانہ بنایا جنہوں نے راجہ جے پال کا ساتھ دیا تھا، اور اس کے لشکر کے ساتھ اپنے لشکر کو شامل کرکے متحدہ قوت کی تشکیل کی تھی۔

راجہ جے پال نے وعدہ خلافی کی اور جنگ کے تاوان کے طور پر جس رقم کی فراہمی کا اس نے وعدہ کیا تھا، اس سے مکر گیا، اس نے سبکتگین کے نمائندوں کو گرفتار کرلیا، اور سبکتگین کو یہ کہلا بھیجا کہ راجہ جے پال کے جو امراء اس کے پاس موجود ہیں ان کو فوراً رہا کرے، اور صرف اسی صورت میں سبکتگین کے نمائندے رہائی حاصل کرسکیں گے۔

راجہ جے پال نے ہندوستان کے تمام راجوں اور رجواڑوں کو بلایا اور ان کو یہ کہا کہ ہندو مذہب خطرے میں ہے اس لئے غزنی کے سلطان کے خلاف متحد ہوکر سب کو جنگ کرنا چاہئے اس نے ان راجاؤں کو یہ بھی یقین دلایا کہ گذشتہ دنوں سلطان غزنی کے مقابلہ میں اسے جو شکست ہوئی ہے وہ اس لئے کہ ہندوؤں کو جتنی مدد کرنی چاہئے تھی وہ انہوں نے نہیں کی، اور وہ اپنے دھرم کی حفاظت کے فرض سے غافل ہوگئے، اور سلطان غزنی سے جو صلح کی گئی ہے، وہ حالات کے تحت مجبوراً صلح کی گئی ہے، تاکہ اسے موقع ملے کہ ہندوستان کے مختلف راجاؤں کی متحدہ فوج تشکیل دے سکے۔

راجہ جے پال نے سب سے بڑی عہد شکنی یہ کی تھی کہ جنگ کا تاوان دینے سے انکار کردیا تھا، دوسرا جرم اس نے یہ کیا تھا کہ

سلطان سبکتگین کے سفیروں اور نمائندوں کو گرفتار کرلیا تھا، اور یہ اصرار کیا تھا کہ جب تک راجہ جے پال کے خاص آدمیوں کو جو بطور ضمانت غزنی میں رکھے گئے تھے، رہا نہیں کردیا جاتا، سبکتگین کے سفیروں کو رہا نہیں کیا جائے گا، غزنی کے دربار میں جب راجہ جے پال کے مکر وفریب اور دغا کا علم ہوا تو وہاں کی درودیوار جہاد کے اعلان سے گونج اٹھے اور ہزاروں رضا کار امیر سبکتگین کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے، محمود غزنوی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، راجہ طے پال کی بدعہدی اور وعدہ خلاف اور دھوکہ دہی اس کی نظر کے سامنے تھی، اس نے یہ بھی دیکھا کہ اس طرح جنگ کا بگل بجادیا گیا ہے، اور عنقریب میدان جنگ میں شعلے بھڑکنے والے ہیں، جنگ شروع ہوئی اور راجہ جے پال کے فوج کے قدم اکھڑ گئے، اور راجہ جے پال خود بڑی مشکلوں سے جان بچا کر فرار ہوسکا۔ اور پھر راجہ جے پال نے صلح کا ہاتھ بڑھایا، لیت و لعل کے بعد صلح کی پیشکش قبول کرلی گئی، امیر سبکتگین نے اس موقع سے اپنے بیٹے محمود غزنوی کو بہت سی فوجی مہم کا ذمہ دار بنایا، اور جب 387 ہجری میں اس کا انتقال ہوا تو تخت کا جانشین محمود غزنوی ہوا، تخت نشینی کے معاملے میں سبکتگین کے بیٹے اسماعیل اور محمود میں کچھ اختلاف بھی ہوا لیکن محمود ایک تجربہ کار جرنل بن چکا تھا اور وہ بہت آسانی سے تخت حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے کر غزنی کا امیر بن گیا، اس وقت اس کی عمر تیس سال کی تھی، لیکن اسے حکمرانی اور میدان جنگ میں لڑنے کا تجربہ ہوچکا تھا اور ٹریننگ مل چکی تھی، وہ ہمیشہ اپنے والد کے ساتھ جنگ کے معرکوں میں شریک ہوتا تھا، وہ ایک مردم شناس اور تجربہ کار حاکم اور سپہ سالار ثابت ہوا، 388 ہجری میں جب محمود غزنوی سریر آرائے سلطنت ہوا تو غزنی کو ایسا عروج حاصل ہوا جو پہلے کبھی اسے نہ ہوا تھا، اس نے خراسان کو بھی فتح کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں کے سابق حاکم نوح بن منصور نے خراسان کی حکومت محمود کو پہلے دے دی تھی، لیکن بعد میں نوح بن منصور کو نجانے کیا سوجھی اس نے ایک اور شخص کو خراسان کا امیر الامراء بنادیا، چنانچہ محمود غزنوی کو خراسان کو دوبارہ واپس لینے کے لئے فوج کشی کرنی پڑی۔ سلطان محمود غزنوی نے کسی معرکہ میں کبھی شکست نہیں کھائی اس کے اقتدار کا ڈنکا ایران اور خراسان سے لے کر ہندوستان تک بج رہا تھا۔

محمود غزنوی کا دبدبہ اب مستحکم ہوگیا تھا، اور اس نے اپنی حکومت اور سلطنت کی توثیق کے لئے اپنا سفیر بغداد بھیجا اور وہ سفیر خلیفہ عباسی القادر باللہ کے دربار میں تحائف اور خلعت لے کر حاضر ہوا، اور خلیفہ عباسی نے بھی جواب میں خلعت بھیجی اور سلطان محمود غزنوی کی امارت کا فرمان بھی جاری کیا، اور اس طرح سے محمود غزنوی کی امارت اور حکومت مسلم ہوگئی کیونکہ خلیفہ عباسی نے اسے تسلیم کرلیا تھا، سلطان محمود غزنوی ملتان کی بغاوت ختم کرنے کے بعد پنجاب کے راجہ آنند پال سے نمٹنے کی تیاری کررہا تھا، جو راجہ جے پال کے مرنے کے بعد تخت پر بیٹھا تھا، محمود غزنوی نے ہندوستانی راجاؤں سے جنگ کے علاوہ اور بھی علاقے فتح کئے، جیسے غور کا علاقہ سلطنت غزنی میں شامل کرلیا، پھر اس نے خراسان پر بھی قبضہ کرلیا، پھر وہ بلخ پہنچا اور خوارزم کا علاقہ بھی اس کی عالی ہمتی اور توسیع پسندی سے نہ بچ سکا، خوارزم میں اس نے اپنے بہادر جرنیل التونتاش کو گورنر بنایا، جو بعد میں خوارزم شاہ کے لقب سے مشہور ہوا۔

لیکن محمود غزنوی کو بطور فاتح جو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی وہ ہندوستان کی فتوحات کے نتیجہ میں ہوئی، ایک سوال اہل فکر ونظر اور مورخین کے سامنے آتا ہے کہ محمود غزنوی نے بار بار ہندوستان پر حملے کیوں کئے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصل میں ملک گیری کی ہوس نہیں تھی بلکہ پنجاب کے راجہ جے پال کی شرارتوں اور عہد شکنی اور وعدے کی خلاف ورزی کا انتقام تھا، اور خود جنگ کا آغاز امیر سبکتگین نے نہیں کیا تھا بلکہ جے پال نے کیا تھا، جے پال نے غزنی پر حملہ کیا تھا اور چونکہ اس کو شکست فاش ہوئی تھی اور اس نے خراج دینا اور تاوان جنگ دینا منظور کرلیا تھا اور پھر وہ خراج اور تاون دینے سے مکر گیا، اور ہندوستان کے دوسرے راجاؤں کی مدد سے غزنی پر حملے کی تیاری کرنے لگا، تو محمود غزنوی

کے لئے جو سبکتگین کے انتقال کے بعد تخت پر بیٹھا تھا، اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ نہ صرف راجہ جے پال کو پورے طور پر سبق سکھائے بلکہ ان حکومتوں پر بھی حملہ کرے جنہوں نے راجہ جے پال کی مدد کی تھی۔ اگر اس بیان پر کسی کو یقین نہ ہو تو کسی بھی اچھی لائبریری میں وہ چلا جائے اور مسلمانوں کی لکھی ہوئی نہیں بلکہ انصاف پسند غیر مسلموں کی لکھی ہوئی تاریخ کی کتابیں نکال کر پڑھ لے اسے مذکورہ مواد مل جائے گا اور اسے یقین ہو جائے گا کہ محمود غزنوی کا ہندوستان پر حملہ راجہ جے پال کی غلطیوں کا نتیجہ تھا اور کسی بھی جارحیت اور چھیڑ چھاڑ کے جواب میں کوئی بھی غیرت مند حکمراں وہی کرتا ہے جو محمود غزنوی نے کیا۔

محمود غزنوی پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ غزنی سے نکلا اور اس نے پشاور کا رخ کیا جے پال نے بیس ہزار سوار اور تیس ہزار پیادے اور تین سو ہاتھی کے ساتھ محمود غزنوی کے مقابلہ میں نکلا، جے پال کو مکمل شکست ہوئی اور محمود غزنوی کے ہاتھ بھاری مال غنیمت لگا، مال غنیمت اتنا تھا کہ ہر سپاہی مالدار ہو گیا، راجہ جے پال پر اس شکست کا نفسیاتی اثر یہ ہوا کہ پہلے اس نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے آنند پال کو تخت پر بیٹھایا اور خود جلتی ہوئی چتا میں اپنے آپ کو ڈال کر مر گیا۔

محمود غزنوی کے ہاتھوں 401 ہجری میں جے پال کو شکست ہوئی تھی، اور اس کے بعد آنند پال حکومت کے تخت پر بیٹھا تھا، اس نے آس پاس کے راجاؤں کو بہکانے اور ورغلانے کی کوشش کی اس کے ورغلانے سے بھاتیہ کے راجا نے خراج دینے سے انکار کیا، اور پھر قلعہ بند ہو کر محمود غزنوی سے لڑنے کی کوشش کی، لیکن اسے محمود غزنوی کے مقابلہ میں شکست ہوئی، اور اس نے اپنی تلوار سے خودکشی کر لی۔

محمود غزنوی پر الزامات کی کوئی حد نہیں ہے، حالانکہ ہندوستان پر اس کے حملے کے اسباب موجود ہیں اور پھر اس نے کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی، وہ اپنے مفتوحہ علاقوں میں دیندار قسم کے افراد کو بطور مبلغ مقرر کرتا تھا، اور یہ مبلغ اطراف دیار میں گھوم گھوم کر اسلام کی خوبیاں بتاتے تھے اور توحید کے عقیدے اور مساوات کے اصول کو دلنشین انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرتے تھے، ان مبلغوں اور صوفیائے کرام کی بدولت ہندوستان میں بہت بڑی تعداد میں لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ تبلیغ کا طریقہ کار جو محمود غزنوی نے اختیار کیا تھا اس لئے بھی ضروری تھا کہ راجہ جے پال اور اس کے بعد اس کے فرزند آنند پال نے اسلام کے خلاف زہر افشانی میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کیا تھا، آنند پال سے محمود غزنوی کی جنگ ہوئی اور آنند پال کی فوج شکست سے دوچار ہوئی تو خود جان بچانے کے لئے اس نے کشمیر کا رخ کیا، کشمیر دور تھا، اور راستہ بے حد دشوار گذار تھا، اس لئے وہ غداروں اور باغیوں کے لئے ایک محفوظ پناہ گاہ بن گیا، چنانچہ محمود غزنوی نے کشمیر کی جانب لشکر کشی کا ارادہ کیا، اس نے دریائے جیجوں کو عبور کیا، اور پھر دریائے جہلم عبور کر کے کشمیر میں داخل ہوا، سرحدی علاقوں کے حکمرانوں اور رئیسوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔

کشمیر کی سرحدوں کے قریب ہودب محمود غزنوی کا پہلا نشانہ تھا، ہودب کا راجہ قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا اور جب اس نے سلطان محمود غزنوی کی فوج کو دیکھا تو دہشت سے اس کی روح فنا ہونے لگی اور دوسرے دن وہ دس ہزار افراد کے ساتھ محمود غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اسلام قبول کر لیا، ہودب کو مسخر کرنے کے بعد سلطان محمود نے قلعہ گل چند کا رخ کیا، راستے خطرناک دشوار گزار تھے، اور جب دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل جمع ہوئیں تو دونوں کے درمیان میں پانی تھا، سلطان محمود نے بڑی حکمت عملی اور ہمت سے مقابلہ کیا، چنانچہ گل چند کی فوج کو شدید ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، اس کی فوج کا ایک حصہ پانی میں ڈوب کر مر گیا اور جن کے لئے کوئی راہ فرار نہ تھی ان کو سلطان محمود کی فوج نے قتل کر دیا اور دشمن کی فوج کے پچاس ہزار آدمی مارے گئے۔ سلطان محمود غزنوی نے جنگ میں اس فتح کے بعد کشمیر میں اشاعت اسلام کے لئے مبلغ مقرر کئے اور تمام مال غنیمت کو ساتھ لے کر وہ غزنی واپس ہوا۔

سلطان محمود غزنوی آہنی عزم وارادے کا مالک تھا، اصول جہاں بانی اور حکمرانی کے لئے یہ ضروری تھا کہ پنجاب پر اپنے اقتدار کو مستحکم بنانے کے لئے آنند پال کو اس کی بدعہدی اور غداری کی سزا مل جائے، وہ آنند پال کے خلاف فیصلہ کن لڑائی کی تیاری کررہا تھا، دوسری طرف آنند پال شمالی ہندوستان کے ہندو راجاؤں کے نام پیغام بھیج رہا تھا اور ہندو مذہب کی سلامتی کے لئے دہائی دے رہا تھا اور مذہب کے نام پر مدد کرنے پر سب کو آمادہ کررہا تھا، چنانچہ اس کی آواز پر ہزاروں پنجابی ہندو اس کی فوج میں شامل ہوگئے، عورتوں نے اپنے قیمتی زیورات کو بیچ کر آنند پال کو چندہ دیا، چنانچہ آنند پال کے ساتھ لڑنے کے لئے ایک لشکر جرار تیار ہوگیا، پنجاب کے ہندو اور جنگ جو قبائل محمود غزنوی کے خلاف جنگ میں متحد ہوگئے تھے اور ہندوستان کے بہت سے ہندو راجاؤں نے جی کھول کے مدد کی تھی، دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل تیار تھیں لیکن چالیس روز تک ایک دوسرے کے خلاف صف آرا رہنے کے باوجود جنگ شروع نہ ہوسکی اور محمود غزنوی نے لشکر گاہ کے دونوں طرف گہری اور چوڑی خندق کھدوائیں تاکہ دشمن اچانک حملہ نہ کرسکے۔

سلطان محمود غزنوی نے جنگی فراست سے کام لیتے ہوئے، ایک ہزار تیر اندازوں کا خاص دستہ ترتیب دیا، اور حکم دیا کہ وہ ہندو راجاؤں پر حملہ کریں، یہ سلسلہ کئی دنوں تک جاری رہا پھر ایک دن راجہ آنند پال کے تیر اندازوں کا حملہ ہوا اور یہ حملہ اتنا غیر متوقع تھا کہ اسے روکا نہیں جاسکا اور کئی مسلمان شہید ہوئے اور پھر موقع سے فائدہ اٹھا کر آنند پال کے لشکر نے خندق بھی پار کرلی اور گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی اور محمود غزنوی کی فوج کے بھی بہت سے سپاہی شہید ہوئے، لیکن محمود غزنوی بھی میدان چھوڑنے والا سپہ سالار نہیں تھا، آنند پال کی فوج میں ہاتھی بہت تھے، مسلمان سپاہیوں نے ہاتھیوں پر تیروں کی بارش کردی، اور ان آلات سے جو آگ برسایا کرتے تھے، ہاتھیوں کو سخت زخمی کرنا شروع کردیا گیا، اس کے بعد ان ہاتھیوں نے خود راجہ آنند پال کی فوج کو روندنا شروع کردیا اور اس طرح اس کی فوج کے بیس ہزار آدمی مارے گئے اور خود آنند پال زخمی ہوگیا، اور کچھ دنوں کے بعد مرگیا، اور اس کے بعد اس کا بیٹا جے پال دوم راجہ بنا۔

راجہ جے پال دوم کو اسلام دشمنی ورثہ میں ملی تھی، ہندوستان میں اسلام کو لوگ اس نظر سے دیکھ رہے تھے کہ جیسے یہ ہندو دھرم کا سب سے بڑا حریف ہو، اور اس کے ماننے والے بت شکن ہوتے ہیں، اور ان بتوں کی جن کی وہ عبادت کرتے ہیں ذرا بھی عزت نہیں کرتے، ملک کے راجاؤں میں دین اسلام کے خلاف ایک انتقامی جذبہ ابھر کر سامنے آرہا تھا، اور پنجاب کے راجا جے پال اور دوسرے راجاؤں کی شکست کے بعد اسلام کو ہندو دھرم کا سب سے بڑا دشمن سمجھا جارہا تھا، محمود غزنوی نے ان تمام راجاؤں کو سخت ترین سبق سکھانے کا ارادہ کرلیا تھا، جنہوں نے پنجاب کے راجہ جے پال کی مدد کی تھی، اور اس کی مدد کے لئے اپنی فوج بھیجی تھی، چنانچہ اس نے نگرکوٹ اور کانگڑا کی ریاستوں پر بھی حملے کئے، کانگڑا پنجاب کا ایک قدیم اور پہاڑی شہر ہے اور نگرکوٹ ہمالیہ کے دامن میں واقع ہے، یہاں ایک قلعہ تھا جس میں بہت سارے بت رکھے ہوئے تھے، اور یہ مشہور تھا کہ کوئی اس قلعہ کو فتح نہیں کرسکتا، کیونکہ ان بتوں کا آشیرواد اس قلعے کو حاصل ہے، اور پورا قلعہ اور یہ شہر ان بتوں کے دامن عاطفت میں ہے، محمود غزنوی نے اپنی فوجی طاقت اور اپنے اسلامی عقیدے کے ساتھ ان سب شہروں کو فتح کر ڈالا، اس کے بعد وہ پشاور پہنچ گیا، پھر اس نے بھیم کا قلعہ فتح کیا، اس قلعہ کے فتح ہونے پر سلطان محمود غزنوی کو سات لاکھ اشرفیاں حاصل ہوئیں اور سات سو من کے سونے چاندی کے زیورات ملے، اور ایک ایسا مکان بھی ملا جو چاندی کا بنا ہوا تھا، سلطان محمود غزنوی نے غزنی پہنچنے کے بعد تین دن تک فتح کا جشن منایا اور تین دن تک مال غنیمت کی عام نمائش کی گئی۔

پنجاب اب غزنی سلطنت کا حصہ بن گیا تھا، لیکن پنجاب کی سرحد پر تھانیسر واقع

تھا جو ہندوؤں کا مشہور تیرتھ استھان تھا، تھانیسر کے بارے میں مافوق الفطرت کہانیاں بہت مشہور تھیں، اور یہ کہ وہاں ایک ایسا ہاتھ ہے جو میدان کارزار میں دشمنوں کا صفایا کردیتا ہے، سلطان محمود غزنوی پوری تیاری کے ساتھ تھانیسر کی جانب بڑھا ان دنوں دریائے سرسوتی میں طغیانی آئی تھی، اور دریا کے دوسرے کنارے پر دشمن کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، بظاہر دریا عبور کرکے تھانیسر پر حملہ کرنا آسان تھا، محمود غزنوی نے اس جگہ کا انتخاب کیا جہاں دریا کا پاٹ کچھ کم اور قابل عبور تھا، اس نے پہلے اپنی فوج کا ایک چھوٹا دستہ بھیجا جو دریا کو عبور کرکے تھانیسر کی فوج پر حملہ آور ہوا، اور جب تھانیسر کے راجہ کی فوج چھوٹے سے دستے کے ساتھ الجھی ہوئی تھی محمود غزنوی نے اپنی باقی فوج کو اسی راستے سے دریا عبور کرکے دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا، گھمسان کی جنگ تھی لیکن تھانیسر کا راجہ مقابلہ نہ کرسکا اور تھانسیر کا تیرتھ استھان مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، یہاں بہت بیش بہا مال غنیمت ہاتھ لگا، اور قیدیوں کی تعداد تو اتنی زیادہ تھی کہ غزنی کے بازار میں غلاموں کی قیمت گرگئی۔

تھانیسر کے فتح کے بعد محمود غزنوی نے برن کا رخ کیا، برن کا موجودہ نام بلند شہر ہے، جسے راجہ برن نے آباد کیا تھا، بلند شہر میں ایک قلعہ بلندی پر واقع تھا جس میں آبادی زیادہ نہیں تھی۔ 409 ہجری میں وہ راجہ ہروت کا دارالسلطنت تھا، چونکہ راجہ ہروت نے بھی محمود غزنوی کے خلاف آنندپال کی مدد کی تھی، اس لئے محمود غزنوی ایک لاکھ بیس ہزار مسلمان مجاہدوں پر مشتمل فوج لے کر اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا اور دریائے جمنا کے قریب پہنچا اور میرٹھ کے قریب اس نے جمنا کو پار کیا اور برن (بلند شہر) آگیا، راجہ ہروت کو محمود غزنوی کے مقابلے کی ہمت نہ تھی، اس نے صلح کی درخواست کی اور تاوان میں زر کثیر اور ہاتھی دے کر اطاعت قبول کرلی۔ اب محمود غزنوی نے متھرا کا رخ کیا جو دہلی کے قریب ہے اور اس وقت اس کو مرکزی مقام حاصل تھا، اور اس شہر کی مذہبی اہمیت تھی، اور کرشن جی جسے ہندو پوجتے ہیں اور بھگوان کا اوتار قرار دیتے ہیں، وہ اسی شہر میں پیدا ہوئے تھے، محمود غزنوی کی دھاک پورے ملک میں بیٹھ گئی تھی، متھرا کا راجہ لڑنے کی ہمت نہ کرسکا اور اس نے ہتھیار ڈال دیئے، متھرا کے راجہ کے اس فیصلے سے فوج کے ایک دستے کو اتفاق نہ تھا اس نے محمود غزنوی کی راہ میں مزاحمت کی کوشش کی، جس کی وجہ سے قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوگیا اور محمود غزنوی کی فوج نے متھرا کو لوٹ لیا۔

متھرا کو فتح کرنے کے بعد سلطان محمود غزنوی نے قنوج کا رخ کیا یہ راجہ ہرلیش کا دارالحکومت بھی رہا تھا، قنوج بھی فتح ہوگیا، پھر اس نے ملتان کو فتح کیا، اور پھر کالنجر کا قلعہ فتح ہوا اور اس کے بعد وہ معرکہ پیش آیا جس نے محمود غزنوی کو عالمی شہرت عطا کردی، اور یہ تھا سومناتھ معرکہ۔ سومناتھ کا معرکہ درحقیقت کفر و اسلام کا معرکہ تھا، سومناتھ ہندوؤں کی عقیدت کا سب سے بڑا مرکز تھا اور شرک اور بت پرستی کا قلعہ تھا، عقیدہ تھا کہ مٹی اور پتھر کے بتوں میں ساری خدائی حلول کرچکی ہے اور اسلامی عقیدہ کے اعتبار سے یہ شرک ناپاکی اور نجاست ہے اس لئے قرآن میں کہا گیا ہے۔ **انما المشرکون نجس۔** (التوبہ:28) لیکن محمود غزنوی کا ہندوستان پر حملہ شرک کی وجہ سے نہیں بلکہ راجہ جے پال کی غزنی پر چھیڑ چھاڑ اور تاوان جنگ ادا نہ کرنے اور بدعہدی اور وعدہ شکنی کی وجہ سے ہوا تھا لیکن یہ بھی علم میں رہے کہ ہندوستان کو صرف محمود غزنوی نے فتح نہیں کیا بلکہ اس کے اطراف و اکناف میں صوفیا کرام بھی پھیل گئے تھے، جو دلوں کو جیتنے کا کام انجام دے رہے تھے، جیسے پنجاب میں فریدالدین داتا گنج بخشؒ، اور ہندوستان کے قلب میں سپہ سالار مسعود غازیؒ اور اسی طرح سے سلسلہ چشتیہ کے بزرگان دین ملک میں دلوں کو اسلام کے لئے جیت رہے تھے۔

لیکن ہندوستان کے مندروں سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت کا پروپیگنڈہ کیا جارہا تھا اور لوگوں سے یہ کہا جارہا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کا نام ونشان مٹادیا جائے، اس طرح کے مندروں میں

سب سے بڑا مندر سومناتھ کا مندر تھا جو کاٹھیاواڑ میں سمندر کے کنارے واقع ہے، سومناتھ میں سوم کا مطلب چاند ہے، اور اس مندر میں لنگ کا مجسمہ بھی تھا، جس کی پوجا کی جاتی تھی، چاند گرہن اور سورج گرہن کے وقت لاکھوں ہندو اس مندر میں جمع ہوکر عبادت کرتے تھے، قرب وجوار کے دس ہزار گاؤں اس مندر کی کفالت کے لئے وقف تھے اور دو ہزار پجاری یہاں ہر وقت پوجا پاٹ میں لگے رہتے تھے، اور آٹھ سو بھجن گانے والے بھی تھے جن کو مندر سے تنخواہ دی جاتی تھی، مندر کا گھنٹا سونے کی ایک زنجیر میں لٹکا ہوا تھا جس کا وزن دو سو من بتایا جاتا ہے، اس مندر کے ساتھ طرح طرح کی کرامات منسوب تھیں اور یہ خیال عام تھا کہ یہ مندر ناقابل تسخیر ہے۔

سومناتھ کا مندر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہر طرح کی سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا، محمود غزنوی نے سومناتھ کے قلعہ پر جہاں مندر تھا حملہ کردیا، قلعے کے تین طرف دریا کا پانی تھا، اور چوتھی طرف گہری خندق تھی، اس لئے اس قلعے کو فتح کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا لیکن محمود غزنوی کے آہنی ارادے نے یہ کام انجام دے دیا، اس کی فوج سومناتھ کے قلعے کے سامنے تھی، اس کے لشکر کے کمانداروں نے فصیل پر بیٹھے ہوئے محافظوں پر تیروں کی بارش کردی، یہ سارے محافظ فصیل چھوڑ کر بھاگ گئے، اور مسلمان سیڑھیاں لگا کر فصیل پر چڑھ گئے، چار دن تک سومناتھ کا معرکہ گرم رہا، دونوں طرف کی فوجوں کو نقصان ہوا، تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ محمود غزنوی نے حضرت ابوالحسن خرقانی کے خرقے کو ہاتھ میں لے کر اللہ تعالیٰ سے نصرت کی دعا مانگی، اور پھر اس نے لشکر کے سامنے ایک زبردست تقریر کی، چنانچہ میدان کارزار میں مسلمانوں کے قدم جم گئے، اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، اور ہندوؤں کے پچاس ہزار سپاہی اس معرکہ میں قتل ہوئے سلطان محمود غزنوی نے مسلمان شہیدوں کی تدفین کروائی اور پھر سومناتھ کا وہ بت جو مندر کے عین وسط میں نصب تھا اسے توڑ دیا۔ سومناتھ کی فتح کا جشن کئی دنوں تک محمود غزنوی کی فوج میں منایا گیا، 421 ہجری میں سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہوگیا، اور اسے غزنی ہی میں دفن کیا گیا جہاں اس کا مقبرہ آج بھی موجود ہے، محمود غزنوی ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا، جس علاقے کو وہ فتح کرتا وہاں مبلغین کی ایک جماعت بھی بھیجتا جو نرمی اور محبت کے ساتھ اسلامی عقائد کی تبلیغ کرتی اور توحید اور مساوات کی تلقین کرتی۔ وہ دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرتا تھا، محمود غزنوی فاتح اور سپہ سالار بھی تھا اور اسی کے ساتھ وہ مبلغ اسلام بھی تھا۔ فاتح اور سپہ سالار تو اتنا بڑا تھا کہ سکندر اور نپولین بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے ہیں۔ صرف ہندوستان نہیں بلکہ ہرات بلخ، سیستان، بخارا، رے، سمرقند اور اصفہان اور ہمدان جیسے خطوں پر بھی غزنوی حکومت قائم ہوگئی تھی اور عباسی خلیفہ القادر باللہ نے محمود غزنوی کو امین الدولۃ اور امین الملۃ کے خطابات دیئے تھے اور عالم اسلام میں محمود غزنوی کی قوت سب سے بڑی قوت سمجھی جاتی تھی۔

یہ بات غلط مشہور ہوگئی ہے کہ محمود غزنوی نے رہزنی اور دولت حاصل کرنے کے لئے ہندوستان پر پے بہ پے حملے کئے، نہ اس نے کبھی زبردستی کسی کو مسلمان بنانے کی کوشش کی، اس نے ہندو دھرم کے خلاف بھی کوئی کام نہیں کیا، اس کی ساری فوجی کارروائیاں ان ہندو راجاؤں کی سرزنش کے لئے ہوئی تھیں جنہوں نے غزنی پر حملہ کرنے اور شورش برپا کرنے کی کوشش کی تھی اگر یہ ہندو راجہ بے وفائی نہ کرتے، بدعہدی کے مرتکب نہ ہوتے اور معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کرتے تو محمود غزنوی کو جو وسیع وعریض سلطنت ملی ہوئی تھی وہ اس کے لئے کافی تھی، جن مندروں پر اس نے حملہ کیا تھا، وہ بھی سازش کا اڈہ بن گئے تھے، اور یورش پسند ہندو سردار دھرم کے نام پر لشکر جمع کرتے تھے اور مذہب کے نام پر ہندوؤں کو اکسایا جاتا تھا اور لڑائی پر آمادہ کیا جاتا تھا، اور بتوں اور مندروں کے بارے میں یہ بات پھیلائی جاتی تھی کہ وہ ناقابل تسخیر ہیں، چنانچہ محمود غزنوی کا قصد تعصب اور سازش کے اڈوں کو بھی ختم کرنا تھا۔ ❖❖

مولانا محمد نجیف سنبھلی

امام اعظم ابوحنیفہؒ

حیات اور کارنامے

امام زفرؒ (متوفی 158ھ): امام زفر بن ہذیلؒ 110 ہجری میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر میں علم حدیث سے خاص شغف و تعلق تھا، علامہ نوویؒ نے ان کو اصحاب الحدیث میں شمار کیا ہے، پھر علم فقہ کی جانب توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔ بصرہ میں قاضی کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں، آپ فقہ حنفی کے اہم ستون ہیں۔

امام یحییٰ بن سعید القطانؒ (متوفی 198ھ): آپ 120 ہجری میں پیدا ہوئے۔ علامہ ذہبیؒ نے تحریر کیا ہے کہ فن اسماء الرجال (سند حدیث پر بحث کا علم) سب سے پہلے انہوں نے ہی شروع کیا ہے۔ پھر اس کے بعد دیگر حضرات، مثلاً امام یحییٰ بن معینؒ نے اس علم کو باقاعدہ فن کی شکل دی۔ امام یحییٰ بن سعید القطانؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے علمی استفادہ کیا۔

امام عبداللہ بن مبارکؒ (متوفی 181ھ): یہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ علم حدیث میں بڑی مہارت حاصل کی، یہاں تک کہ امیر المومنین فی الحدیث کا لقب ملا۔ 118 ہجری میں پیدا ہوئے اور 181 ہجری میں وفات پائی۔ امام عبداللہ بن مبارکؒ کا قول ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے ذریعہ میری مدد نہ فرماتے تو میں ایک عام انسان سے بڑھ کر کچھ نہ ہوتا۔

تدوین فقہ:

عصر قدیم و جدید میں علم فقہ کی تعریف مختلف الفاظ میں کی گئی ہے، مگر اُن کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں احکام شرعیہ کا جاننا فقہ کہلاتا ہے۔ احکام شرعیہ کے جاننے کے لئے سب سے پہلے قرآن کریم اور پھر احادیث کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں کسی مسئلہ کی وضاحت نہ ملنے پر اجماع اور قیاس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

فقہ کو سمجھنے سے قبل امام ابوحنیفہؒ کے ایک اہم اصول و ضوابط کو ذہن میں رکھیں کہ میں پہلے کتاب اللہ اور سنت نبویؐ کو اختیار کرتا ہوں، جب کوئی مسئلہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں ملتا تو صحابہ کرامؓ کے اقوال و اعمال کو اختیار کرتا ہوں۔ اس کے بعد دوسروں کے فتاویٰ کے ساتھ اپنے اجتہاد و قیاس پر توجہ دیتا ہوں۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کا یہ اصول ہے کہ اگر مجھے کسی مسئلہ میں کوئی حدیث مل جائے خواہ اس کی سند ضعیف بھی ہو تو میں اپنے اجتہاد و قیاس کو ترک کر کے اس کو قبول کرتا ہوں۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا اپنا خود بنایا ہوا اصول نہیں ہے، بلکہ اُس مشہور حدیث کی اتباع ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو وصیت فرمائی تھی۔

فقہ حنفی کا مدار صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ذات اقدس پر ہے اور اس فقہ کی بنیاد وہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحابہ کرامؓ مسائل شرعیہ معلوم کرتے تھے۔ کوفہ شہر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قرآن و حدیث کی روشنی میں لوگوں کی رہنمائی فرماتے تھے۔ حضرت علقمہ بن قیس کوفیؒ اور حضرت اسود بن یزید کوفیؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے خاص شاگرد ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود فرماتے تھے کہ جو کچھ میں نے پڑھا لکھا اور حاصل کیا وہ سب کچھ علقمہؒ کو دے دیا۔ اب میری معلومات علقمہؒ سے زیادہ نہیں ہے۔ حضرت علقمہؒ اور حضرت اسودؒ کے انتقال کے بعد حضرت ابراہیم نخعی کوفیؒ مسند نشین ہوئے اور علم فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہاں تک کہ انہیں

''فقیہ عراق'' کا لقب ملا۔ حضرت ابراہیم نخعی کوفیؒ کے زمانے میں فقہ کا غیر مرتب ذخیرہ جمع ہوگیا تھا جو ان کے شاگردوں نے خاص کر حضرت حماد کوفیؒ نے محفوظ کر رکھا تھا۔ حضرت حمادؒ کے اس ذخیرہ کو امام ابوحنیفہ کوفیؒ نے اپنے شاگردوں خاص کر امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ کو بہت منظم شکل میں پیش کردیا جو انہوں نے باقاعدہ کتابوں میں مرتب کردیا، یہ کتابیں آج بھی موجود ہیں۔ اس طرح امام ابوحنیفہؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے دو واسطوں سے حقیقی وارث بنے اور امام ابوحنیفہؒ کے ذریعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے قرآن وسنت کی روشنی میں جو سمجھا تھا وہ امت مسلمہ کو پہنچ گیا۔ غرضیکہ فقہ حنفی کی تدوین اُس دور کا کارنامہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون قرار دیا اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکمل حفاظت کے ساتھ اسی زمانہ میں کتابی شکل میں مرتب کی گئیں۔

وضاحت: ان دنوں بعض ناواقف حضرات فقہ کا ہی انکار کرنا شروع کردیتے ہیں حالانکہ قرآن وحدیث کو سمجھ کر پڑھنا اور اس سے مسائل شرعیہ کا استنباط کرنا فقہ ہے۔ نیز قرآن وحدیث میں متعدد جگہ فقہ کا ذکر بھی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ مشہور کتب حدیث (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، طبرانی، بیہقی، مسند ابن حبان، مسند احمد بن حنبل وغیرہ) کی تالیف سے قبل ہی امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں نے فقہ حنفی کو کتابوں میں مرتب کردیا تھا۔ اگر واقعی فقہ قابل رد ہے تو مذکورہ کتب حدیث کے مصنفوں نے اپنی کتاب میں فقہ کی تردید میں کوئی باب کیوں نہیں بتایا؟ یا کوئی دوسری مستقل کتاب فقہ کی تردید میں کیوں تصنیف نہیں کی؟ غرضیکہ یہ ان حضرات کی ہٹ دھرمی ہے ورنہ قرآن وحدیث کو سمجھ کر مسائل کا استنباط کرنا ہی فقہ کہلاتا ہے جسے جمہور محدثین و مفسرین وعلماء امت نے تسلیم کیا ہے۔

نقطہ: فقہ حنفی کا یہ خصوصی امتیاز ہے کہ سابقہ حکومتوں (خاص کر عباسیہ و عثمانیہ حکومت) کا 80 فیصد قانون عدالت و فوجداری فقہ حنفی رہا ہے اور آج بھی بیشتر مسلم ممالک کا قانون عدالت فقہ حنفی پر قائم ہے، جو قرآن وحدیث کی روشنی میں بنائے گئے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے دورانِ درس جو احادیث بیان کی ہیں انہیں شاگردوں نے ''حَدَّثَنَا'' اور ''اَخْبَرَنَا'' وغیرہ الفاظ کے ساتھ جمع کردیا۔ امام ابوحنیفہؒ کے درسی افادات کا نام کتاب الآثار ہے، جو دوسری صدی ہجری میں مرتب ہوئی، اس زمانہ تک کتابوں کی تالیف بہت زیادہ عام نہیں تھی۔ کتاب الآثار اس دور کی پہلی کتاب ہے جس نے بعد کے آنے والے محدثین کے لئے ترتیب و تبویب کے راہنما اصول فراہم کئے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے ''کتاب الآثار'' کے متعدد نسخوں کی نشاندہی کی ہے، لیکن عام شہرت چار نسخوں کو حاصل ہے۔ ان نسخوں میں سے امام محمدؒ کی روایت کردہ کتاب کو سب سے زیادہ شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی۔

مشہور محقق عالم مولانا عبدالرشید نعمانیؒ نے ''کتاب الآثار'' کے مقدمہ میں قوی روایتوں کی روشنی میں لکھا ہے کہ کتاب الآثار براہ راست امام ابوحنیفہؒ کی تالیف ہے، امام محمدؒ، امام ابویوسفؒ، امام زفرؒ وغیرہ اس کے راوی ہیں۔

مسانید امام ابوحنیفہؒ: علماء کرام نے امام ابوحنیفہؒ کی پندرہ مسانید شمار کی ہیں جن میں ائمہ دین اور حفاظ حدیث نے آپ کی روایات کو جمع کرکے ہمیشہ کے لیے محفوظ کردیا، ان میں سے مسند امام اعظم علمی دنیا میں مشہور ہے، جس کی متعدد شروحات بھی بھی تحریر کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑا کام ملک شام کے امام ابوالموائد خوارزمیؒ (متوفی 665ھ) نے کیا ہے جنہوں نے تمام مسانید کو بڑی ضخیم کتاب ''جامع المسانید'' کے نام سے جمع کیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد امام محمدؒ کی مشہور ومعروف کتابیں بھی فقہ حنفی کے اہم مآخذ ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا تقویٰ: کتاب و سنت کی تعلیم اور فقہ کی تدوین کے ساتھ امام صاحبؒ نے زہد وتقویٰ اور عبادت میں پوری زندگی بسر کی۔ رات کا بیشتر حصہ اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے، نفل نماز پڑھنے اور تلاوت قرآن کرنے میں گزارتے تھے۔ امام صاحبؒ نے علم دین کی خدمت کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، بلکہ معاش کے لئے ریشم بنانے اور ریشمی کپڑے تیار کرنے کا بڑا کارخانہ تھا جو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرو بن حریثؓ کے گھر میں چلتا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کا تعلق خوشحال گھرانے سے تھا اس لئے لوگوں کی خاص طور سے اپنے شاگردوں کی بہت مدد کیا کرتے تھے۔ آپؒ نے 55 حج ادا کئے۔

امام ابوحنیفہؒ کی شان میں بعض علماء امت کے اقوال: امام علی بن صالحؒ (متوفی 151ھ)

نے امام ابوحنیفہؒ کی وفات پر فرمایا: عراق کا مفتی اور فقیہ گزر گیا۔ (مناقب ذہبی، ص:18)

امام مسعر بن کدامؒ (متوفی 153ھ) فرماتے تھے کہ کوفہ کے دو کے سوا کسی اور پر رشک نہیں آتا۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کا فقہ، دوسرے شیخ حسن بن صالح اور ان کا زہد و قناعت۔ (تاریخ بغداد، ج:14، ص:328)

ملک شام کے فقیہ و محدث امام اوزاعیؒ (متوفی 157ھ) فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ پیچیدہ مسائل کو سب اہل علم سے زیادہ جاننے والے تھے۔ (مناقب کردی:90)

امام داؤد الطائیؒ (متوفی 160ھ) فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ کے پاس وہ علم تھا جس کو اہل ایمان کے دل قبول کرتے ہیں۔ (الخیرات الحسان، ص:32)

امام سفیان ثوریؒ (متوفی 167ھ) کے پاس ایک شخص امام ابوحنیفہؒ سے ملاقات کر کے آیا۔ امام سفیان ثوریؒ نے فرمایا تم روئے زمین کے سب سے بڑے فقیہ کے پاس سے آرہے ہو۔ (الخیرات الحسان، ص:32)

امام مالک بن انسؒ (متوفی 179ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ جیسا انسان نہیں دیکھا۔ (الخیرات الحسان:28)

امام وکیع بن الجراحؒ (متوفی 195ھ) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ سے بڑا فقیہ اور کسی کو نہیں دیکھا۔

امام یحییٰ بن معینؒ (متوفی 233ھ) امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیا کرتے تھے اور ان کی احادیث کے حافظ بھی تھے۔ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی بہت ساری احادیث سنی ہیں۔ (جامع بیان العلم، علامہ ابن عبدالبر:2، ص:149)

امام سفیان بن عیینہؒ (متوفی 198ھ) فرماتے تھے کہ میری آنکھوں نے ابوحنیفہؒ جیسا انسان نہیں دیکھا۔ دو چیزوں کے بارے میں خیال تھا کہ وہ شہر کوفہ سے باہر نہ جائیں گی۔ مگر وہ زمین کے آخری کناروں تک پہنچ گئیں۔ ایک امام حمزہؒ کی قرأت اور دوسری ابوحنیفہؒ کا فقہ (تاریخ بغداد:13، ص:347)

امام شافعیؒ (متوفی 204ھ) فرماتے ہیں کہ ہم سب علم فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔ جو شخص علم فقہ میں مہارت حاصل کرنا چاہے وہ امام ابوحنیفہؒ کا محتاج ہوگا۔ (ایضاً)

امام بخاریؒ کے استاذ امام مکی بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ پرہیزگار، عالم آخرت کے راغب اور اپنے معاصرین میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ (مناقب الامام ابی حنیفہؒ، شیخ موفق بن احمد مکیؒ)

امام موفق بن احمد مکیؒ امام بکر بن محمد زرنجریؒ (متوفی 152ھ) کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔ (مناقب امام ابی حنیفہؒ)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے علوم کا نفع:

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے انتقال کے بعد آپ کے شاگردوں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قرآن و حدیث و فقہ کے دروس کو کتابی شکل دے کر ان کے علم کے نفع کو بہت عام کر دیا، خاص کر جب آپ کے شاگرد قاضی ابویوسفؒ عباسی حکومت میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز ہوئے تو انہوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں امام ابوحنیفہؒ کے فیصلوں سے حکومتی سطح پر عوام کو متعارف کرایا، چنانچہ چند ہی سالوں میں فقہ حنفی دنیا کے کونے کونے میں رائج ہوگیا اور اس کے بعد یہ سلسلہ برابر جاری رہا حتی کہ عباسی و عثمانی حکومت میں مذہب ابی حنیفہؒ کو سرکاری حیثیت دے دی گئی، چنانچہ آج 1400 سال گزر جانے کے بعد بھی تقریباً 75 فیصد امت مسلمہ اس پر عمل پیرا ہے اور اب تک امت مسلمہ کی اکثریت امام ابوحنیفہؒ کی قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح اور وضاحت و بیان پر ہی عمل کرتی چلی آرہی ہے۔ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور افغانستان کے مسلمانوں کی بڑی اکثریت جو دنیا میں مسلم آبادی کا 60 فیصد سے زیادہ ہے، اسی طرح ترکی اور روس سے الگ ہونے والے ممالک نیز عرب ممالک کی ایک جماعت قرآن و حدیث کی روشنی میں امام ابوحنیفہؒ کے ہی فیصلوں پر عمل پیرا ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت پر جتنا کچھ مختلف زبانوں خاص کر عربی زبان میں تحریر کیا گیا ہے وہ عموماً دوسرے کسی محدث یا فقیہ یا عالم پر تحریر نہیں کیا گیا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کی علمی و عملی خدمات کے قبول ہونے کی بہ ظاہر علامت ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب تبییض الصحیفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفہؒ سے خصوصی استفادہ کر کے اس مضمون کو تحریر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام مصنفوں کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔

□□□

ابوعکاشہ مفتی ثناء اللہ ڈیروی

سکون کیسے حاصل ہوگا؟

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہٖ، ونتوکل علیہ، ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ، و من یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، نشھد ان سیدنا و سندنا و مولانا محمداً عبدہٗ و رسولہٗ، ارسلہ بالحق بشیراً ونذیراً، و داعیاً الی اللہ باذنہٖ و سراجاً منیرا۔

اما بعدا فاعوذ باللہ من الشطین الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ (یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین)۔ (سورہ توبہ، آیت:119) صدق اللہ مولانا العظیم۔

آج پورے عالم میں جہاں کہیں انسان رہتا ہے، خواہ وہ مغرب کا رہنے والا ہو یا مشرق کا، شمال کا ہو یا جنوب کا، مسلمان ہو یا غیر مسلم، ہر انسان پریشان ہے اور پریشانی ایسی ہے کہ وہ بڑھ رہی ہے، گھٹ نہیں رہی۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ وسائل، اسباب اور ان سب چیزوں کا سہل الحصول ہونا ان چیزوں کی وجہ سے پریشانی نہیں ہے۔ آج سے کچھ سال پہلے اگر کسی کو کراچی سے لاہور سفر کرنا ہوتا تو وہ اتنی آسانی سے سفر نہیں کرسکتا تھا، جتنی آسانی سے آج ہو رہا ہے۔ لوگ حج کرنے جاتے تھے تو ہم نے کتابوں میں پڑھا کہ گھر سے جب رخصت ہوتے تو اُن کے بال سیاہ ہوتے تھے اور جب حج کرکے واپس آتے تو بال سفید ہوچکے ہوتے تھے، یعنی حج کے سفر میں اتنا عرصہ لگ جاتا تھا۔

بہت سے مسافر چاہے وہ حج کا سفر کررہے ہوں یا اور دینی اور دنیاوی سفر کررہے ہوں، وہ واپس ہی نہیں آتے تھے۔ سفر کی صعوبتیں ان کی جان لے لیتی تھیں۔ زندگی کا ہر رخ، خواہ اس کا تعلق رہن سہن سے ہو، خواہ اس کا تعلق صحت اور بیماری سے ہو، خواہ اس کا تعلق محنت اور مزدوری سے ہو، خواہ اس کا تعلق تجارت اور ملازمت سے ہو، خواہ اس کا تعلق زراعت سے ہو، وہ پہلے آسان نہیں تھے۔

پہلے کسان اپنے ہاتھ سے کھیتی کاشت کرتے تھے۔ اب تو ٹریکٹر ہیں، مشینیں ہیں۔ اسی طرح زندگی کے تمام رخوں میں مشکلات تھیں، پریشانیاں تھیں، لیکن دنیا میں امن تھا، انسانوں میں امن تھا، لوگوں میں محبت تھی، پیار تھا، ایک دوسرے کے کام آنے کا جذبہ تھا، ایک دوسرے کی مدد کرنے کا جذبہ تھا۔ گاؤں دیہات میں، شہر میں بچی کی شادی ہوتی تو ہر گھر خدمت کے لئے تیار ہوتا تھا اور یہ زبان پر ہوتا تھا کہ بیٹیاں سب کی بیٹیاں ہیں۔ آپ کی بیٹی کی شادی ہے تو میری بیٹی کی شادی ہے، جیسے اس کی خدمت آپ کی ذمے داری ہے، ایسے ہی میری ذمے داری ہے۔

پھر دنیا بدل گئی۔ ٹرینیں دوڑ رہی ہیں، جہاز اڑ رہے ہیں، گاڑیاں دوڑ رہی ہیں۔ سفر کی سب مشکلات ختم ہوگئیں۔

لیکن خوب یاد رکھیے، یہ انسان کی ترقی نہیں ہے۔ اسباب کی ترقی ہے۔ لوہے کی ترقی ہے، لکڑی کی ترقی ہے، پتھر کی ترقی ہے۔ آج کی یہ ترقی انسان کی ترقی نہیں ہے، آدمی کی ترقی نہیں ہے، انسان تو تنزل کا شکار ہے۔

آج اتنی ترقی کے باوجود ہر آدمی پریشان ہے۔ قسم ہا قسم کی پریشانیوں کا شکار ہے۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ ایک بین الاقوامی ادارہ ہے جو جائزہ لیتا ہے کہ پوری دنیا میں کس ملک میں معیارِ زندگی سب سے بلند ہے، کہاں اس سے کم ہے؟ کہاں اس سے اور کم ہے؟ اور کہاں سب سے کم

ہے؟ اس ادارے کے جدید ترین سروے کے مطابق، ناروے ایسا ملک ہے جہاں معیارِ زندگی سب سے بلند ہے۔ رہنے سہنے کے اعتبار سے، آمدنی کے اعتبار سے، خرچ کے اعتبار سے، صحت اور مرضی کی سہولتوں کے اعتبار سے ناروے سب سے آگے ہے۔

عقل کیا کہتی ہے؟

عقل یہ کہتی ہے کہ وہاں کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہئے۔ عقل یہ کہتی ہے کہ جب ہر آدمی کے پاس دولت ہے، پیسہ ہے اور یہاں کے رہنے والوں کا معیارِ زندگی سب سے بلند ہے..... امریکا اور یورپ سے بھی بلند۔ تو عقل یہ کہتی ہے کہ وہاں پر تو سب سے زیادہ خوش حالی، امن، چین اور سکون ہونا چاہئے۔

لیکن وہی ادارہ جو ناروے کے معیار زندگی کو سب سے بلند قرار دیتا ہے، اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ خودکشی بھی ناروے میں ہوتی ہے۔ یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب پیسہ ہے، دولت ہے، معیارِ زندگی سب سے بلند ہے، تمام سہولتیں میسر ہیں۔ تو خودکشی کی شرح اتنی زیادہ کیوں ہے؟

یہی ادارہ یہ رپورٹ دیتا ہے کہ سب سے زیادہ مجنون اور پاگل اسی ملک میں ہیں۔ پیسہ ہے، دولت ہے، معیارِ زندگی سب سے بلند ہے، لیکن اسی ادارے کی رپورٹ کے مطابق سب سے زیادہ طلاق کی شرح اسی ملک میں ہے۔

اس سے ہمیں کیا پتہ چلتا ہے؟ یہی کہ دولت، مال واسباب، وسائل کی ترقی، جدید ترین ٹکنالوجی سے سکون اور تسکین دل حاصل نہیں ہوتا۔ ان چیزوں سے چین حاصل نہیں ہوتا۔ ان چیزوں سے تو پریشانیاں بڑھتی ہیں۔ یہ ترقی تو درحقیقت لوہے اور پتھر کی ترقی ہے۔ یہ انسان کی ترقی نہیں ہے۔

انسان کی ترقی صرف اور صرف ان طریقوں سے ممکن ہے جو اِس انسان کے بنانے والے خالق اور مالک نے بتائے ہیں۔

ایک انجینئر جو سائیکل یا موٹر سائیکل یا گاڑی بناتا ہے، اس کے ساتھ ایک کتابچہ ہوتا ہے۔ اس پر لکھا ہوتا ہے کہ اس مشین کو ان ہدایات کے مطابق استعمال کرو گے تو اس سے صحیح نتائج حاصل ہوں گے اور اگر اس کے خلاف استعمال کرو گے تو اس مشین سے نتائج حاصل نہیں ہوں گے، بلکہ مشین جلد خراب ہوجائے گی اور اندیشہ ہے کہ غلط استعمال سے کہیں کوئی جانی نقصان نہ ہوجائے۔ جتنی مشینیں ہوتی ہیں ان کے ساتھ یہ کتابچے ہوتے ہیں۔

انسانی مشین اس کا خالق کون ہے؟ اللہ! اللہ تعالیٰ نے انسانی مشین کو بنایا ہے اور اس مشین کو استعمال کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ یہ طریقہ ''وحی'' ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نبی کے ذریعے بتایا کہ اس مشین کو کیسے استعمال کرنا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔

عقل تو ٹھوکریں کھاتی ہے۔ بہت دفعہ بہت سارے عقل مند اکٹھے بیٹھ کر کوئی فیصلہ کرتے ہیں، لیکن کچھ عرصہ بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ فیصلہ غلط تھا۔ نقصان ہوگیا۔ عقل پر انحصار نہیں کرسکتے بلکہ انحصار کرنا ہوگا صرف اور صرف وحی پر۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں، اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ کیا ہے؟ ہر ممنوع اور ہر مکروہ سے اپنے آپ کو بچانا، اس کے قریب نہیں جانا اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا، وہ بہت زیادہ نہیں، ان کی فہرست بہت لمبی نہیں۔ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، جن چیزوں کو منع کیا ہے، ان کی فہرست بہت لمبی نہیں۔ بہت چھوٹی فہرست ہے۔ جب کہ جن چیزوں کی اجازت دی ہے، ان کی فہرست بہت لمبی ہے۔ تو جن چیزوں سے بچنا ہے وہ بہت زیادہ نہیں، ان سے بچیں۔

ان سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟ ان سے بچنے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔

یہ طریقہ بھی خالق نے بتایا ہے۔ اور وہ طریقہ کیا ہے؟ وہ ہے صالحین کی صحبت اختیار کرنا۔ آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ صحابہ کون ہیں؟ صحابہ وہ ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی۔ ان میں جتنا کمال ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا، صحبت صالحین کی اختیار کی جائے۔ اللہ والوں کی صحبت اختیار کی جائے۔ سلسلہ نقشبند کے بہت بڑے

بزرگ گزرے ہیں، شیخ عبیداللہ نقشبندی رحمۃ اللہ۔ ایک دفعہ انہوں نے بیان کے دوران یہ حدیث بیان کی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جمعہ کے دن ایک ساعت اور ایک گھڑی ایسی ہے جس میں جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذکر یوم الجمعۃ فقال: فیہ ساعۃ لا یوافقھا عبد مسلم و ھو قائم یصلی یسأل اللّٰہ تعالیٰ شیئاً الا اعطاہ ایاہ۔ (الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الجمعۃ، باب الساعۃ التی فی یوم الجمعۃ، رقم الحدیث:935)

تو آپؒ نے ایک صاحب جوان کی مجلس میں موجود تھے، کی طرف اشارہ کیا کہ اگر وہ ساعت اور گھڑی آپ کو مل جائے تو آپ کیا دعا مانگیں گے؟ وہ بے چارہ رعب کی وجہ سے خاموش رہا۔ اسی طرح ایک اور سے پوچھا، وہ حضرت سے ذرا مانوس تھا۔ اس نے حضرت سے کہا کہ آپ ہمیں آزمائش میں نہ ڈالیں۔ آپ خود ارشاد فرمادیں کہ اگر وہ گھڑی اور ساعت ہمیں مل جائے تو ہمیں کیا مانگنا چاہئے؟

اس پر حضرت شیخ عبیداللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر وہ گھڑی اور ساعت مجھے ملے تو میں اللہ تعالیٰ سے مانگوں گا کہ اے اللہ! مجھے صحبت صالح عطا فرما۔ صحبت صالح سے کامیابی، دل کا چین، اطمینان اور برکت ملے گی۔ (وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور خدمت میں زیادہ رہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے کئی دفعہ بھوک کی شدت اور زیادتی کی وجہ سے بے ہوش ہوجاتے لوگ یہ سمجھتے کہ شاید انہیں مرگی کا دورہ پڑا ہے، حالانکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے مرگی وغیرہ نہیں ہوتی تھی، بلکہ بھوک کی شدت کی وجہ سے ایسا ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صحبت کا نتیجہ کیا ہوا؟ علماء طلبہ جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو روایت کرنے والے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام کتنا بلند ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا کتنا بڑا ذخیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امت تک پہنچایا ہے۔ یہ اس صحبت کی وجہ سے ہوا، اور صحبت کا اثر ہوتا ہے۔ نہ صرف انسانوں کی صحبت کا اثر ہوتا ہے بلکہ جانوروں کی صحبت کا بھی اثر ہوتا ہے؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو آدمی اونٹوں میں رہتا ہے تو اونٹ کی صحبت کا اثر اونٹ والے میں آجاتا ہے۔ چونکہ اونٹ میں کینہ ہے، اونٹ کینہ پرور جانور ہے تو جو آدمی اونٹوں میں رہتا ہے اس میں کینہ آجاتا ہے۔ جو گھوڑوں میں رہتا ہے، اس میں گھوڑے کی صفات آجاتی ہیں۔ گھوڑوں میں کبر ہوتا ہے، لہٰذا، جو آدمی گھوڑوں میں رہتا ہے اس میں کبر اور غرور آجاتا ہے۔ ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بکریوں میں رہتا ہے، اس میں مسکنت اور تواضع آجاتی ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: رأس الکفر نحو المشرق و الفخر والخیلاء فی اھل الخیل والابل الفدادین اھل الوبر، والسکینۃ فی اھل الغنم، (الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الیمان، باب تفاضل اھل الایمان فیہ، رقم الحدیث:185)

جن چیزوں کی صحبت انسان اختیار کرتا ہے تو اُن چیزوں کے اثرات انسان میں آجاتے ہیں۔

مسجد ہے۔ یہ اللہ کا گھر ہے۔ مسجد کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں فرشتوں کا ہجوم ہوتا ہے، مسجد فرشتوں سے بھری ہوئی ہے۔ اب جو آدمی مسجد میں زیادہ وقت گزارے گا تو اس میں فرشتوں والی صفات آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔

(رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَ تُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ) ○○

مفتی شفیق الدین الصلاح

دعا اور اس کے آداب

دعا اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے مستفید ہونے کا اہم ذریعہ اور سبب ہے، دعا میں وہ طاقت اور قوت ہے جو لکھی ہوئی تقدیر کو تبدیل کر دیتی ہے، آنے والے مصائب کو دور کر دیتی ہے، مشکل حالات وبلیات میں پھنسنے سے بچاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرب وتعلق کو بڑھاتی ہے۔

دعا اتنی مہتم بالشان اور لابد امر ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا اس کے مانگنے کی تاکید فرمائی ہے اور نہ مانگنے والوں پر سخت نکیر، ناراضگی اور غضب کا اظہار فرمایا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ: 1- اور جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے پوچھیں تو میں اُن کے قریب ہوں۔ دعا مانگنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے مانگتا ہے۔ (سورۃ البقرۃ 186)

2- مجھ سے دعا مانگو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

1- دعا مؤمن کا ہتھیار دین کا ستون اور آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔

2- دعا میں عاجز مت بنو، اس لیے کہ دعا کے ساتھ کوئی شخص ہلاک نہیں ہوسکتا۔ (ابن حبان)

3- دعا ہر آئی اور آنے والی مصیبت کے ازالے میں نافع ہوتی ہے، پس اے اللہ کے بندو! دعا کو لازم پکڑو۔ (ترمذی)

4- جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

ان تمام فرامین سے معلوم ہوا کہ دعا اہم عبادت اور مہتم بالشان امر ہے، ہر قسم کی پریشانیوں، مصیبتوں اور آفتوں سے بچانے کا اور اللہ کے قرب اور نزدیکی کو بڑھانے کا ذریعہ ہے اور دنیا وعقبیٰ میں سرخروئی اور سربلندی کا سبب ہے۔

لیکن آج المیہ یہ ہے کہ مسلمان دعا کی حقیقت سے واقف نہیں ہے، رسمی رواجی طور پر چند رٹے ہوئے الفاظ دہرا کر منھ پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں، اور اسی کو دعا سمجھتے ہیں، حالانکہ دعا ایک حقیقت رکھتی ہے، کچھ شرائط وضوابط چاہتی ہے اور چند آداب کا تقاضا کرتی ہے، اگر اُن آداب کی رعایت کی جائے، اور دعا کرتے وقت ان کو عملی جامہ پہنایا جائے، تب دعا عنداللہ مقبول ہوگی اور اپنا اثر دکھلائے گی اور اگر اُن آداب کی رعایت کیے بغیر دعا مانگی جائے، تو اس میں جان نہ ہوگی اور اس کے ذریعہ حاجات پوری نہ ہوں گی۔ امام احمد نے کتاب زہد میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کی ایک جماعت ایک مشکل مصیبت میں گرفتار ہوگئی، اس کے ازالہ کے لیے وہ بارگاہِ ایزدی میں گڑگڑاتے ہوئے ایک میدان میں نکل کھڑے ہوئے اور ربّ ذوالجلال کی بارگاہ میں آہ وزاری کرنے لگے، تو اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ نجس بدنوں کے ساتھ آکر میرے سامنے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا رکھے ہیں، حالانکہ تم نے ناحق خون سے اپنے ہاتھوں کو گندہ کیا ہوا ہے اور اپنے گھروں کو حرام چیزوں سے بھر لیا ہے، اس سب کے ہوتے ہوئے تو میرا غضب تم لوگوں کے لیے سخت ہو چکا ہے، اب تم مجھ سے دور ہی ہوتے جاؤ گے۔

چونکہ ان کی دعا شرائط وآداب سے خالی تھی، اس لیے اللہ کی جانب سے نہ سننے کی اور زجر وتوبیخ کی خبر دی گئی، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا کے آداب کی رعایت کو لازم قرار دیتے ہوئے فرمایا:

کہ ''اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا کو قبول نہیں فرماتا۔''

لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ دعا کی حقیقت کو سمجھے اور اس کے آداب سے واقفیت حاصل کرے اور ان آداب کی رعایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑائے، ذیل میں ان آداب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اخلاص اور یقین کا ہونا

دعا گہرے اخلاص اور پاکیزہ نیت کے ساتھ مانگی جائے، اپنی دعاؤں کو نمود و نمائش، ریاکاری اور شرک سے بے آمیز اور پاک رکھا جائے، اور پورے یقین اور وثوق کے ساتھ دعا مانگی جائے کہ وہ ہمارے حالات سے پورا واقف اور انتہائی مہربان ہے، وہ اپنے بندوں کی پکار کو سنتا ہے اور ان کی دعاؤں کو قبول بھی فرماتا ہے۔

سورۃ بقرۃ میں ہے:

ترجمہ: ''آپ انہیں بتا دیجئے کہ میں اُن سے قریب ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اُس کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔'' (186)

خشوع و خضوع کا التزام کرنا

دعا کرتے وقت خشوع و خضوع کو پیدا کرنا اور بتکلف اپنے اوپر منت، سماجت اور رونے کی کیفیت کو ظاہر کرنا نہایت ضروری ہے، چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق کا فرمان ہے کہ اگر تمہیں رونا نہ آئے تو رونے جیسے شکل ہی بنالو، رونے والی دعا رنگ لاتی ہے، غزوہ بدر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پوری رات رونے نے کیا اثر دکھلایا کہ چھوٹی سی جماعت نے کفار مکہ کو شکست فاش دے دی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی ساری رات آہ وزاری نے دشمن کے بحری بیڑے کو غرق کر دیا، دعائیں آج ان صفات سے خالی ہیں۔

دعا کرتے وقت ظاہر اور باطن کو پاک رکھنا

دعا مانگتے وقت ظاہری آداب، طہارت، پاکیزگی کا پورا پورا خیال رکھنا چاہئے اور قلب کو بھی ناپاک جذبات، گندے خیالات اور بیہودہ معتقدات سے پاک رکھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ: بے شک خدا کے محبوب بندے وہ ہیں جو بہت زیادہ توبہ کرتے ہیں اور نہایت پاک صاف رہتے ہیں۔

(البقرۃ 222)

دعا دل سے مانگنی چاہئے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا کو قبول نہیں کرتا۔ (مسلم)

شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

بات جو دل سے نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے
پَر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

اس لیے دعا کرتے وقت ہمہ تن متوجہ ہو کر دعا مانگنی چاہئے۔

دعا میں تنگ نظری نہ کرنی چاہئے

دعا میں تنگ نظری اور خود غرضی سے بھی بچنا چاہئے اور خدا کی عام رحمت کو محدود سمجھنے کی غلطی کر کے اس کے فیض و بخشش کو اپنے لیے خاص کرنے کی دعا نہ کرنی چاہئے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی میں ایک بدو آیا، اس نے نماز پڑھی، پھر دعا مانگی اور کہا اے خدا! مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ فرما۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے خدا کی وسیع رحمت کو تنگ کر دیا۔'' (بخاری)

مسنون دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہئے

جو دعائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زبان سے مانگی ہیں، ان کا اہتمام کرنا چاہئے، کہ ان ادعیہ نے قبولیت کے دروازے دیکھ رکھے ہیں اور عربی میں مانگنے کو ترجیح دی جائے، علامہ شامی نے اس پر بڑی تاکید فرمائی ہے۔

دعا کے ساتھ اسباب بھی اختیار کرنے چاہئیں

صرف دعا پر اکتفا کرنا کہ اے اللہ! مجھے گھر بیٹھے بیٹھے رزق دے دے اور پورا دن گھر میں پڑا رہے، کوئی سبب اختیار نہ

کرے، تو ایسی دعا کہاں قبول ہوگی؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق میں بھوک کی وجہ سے نڈھال ہو رہے تھے، لیکن سبب اختیار کرنے (کچھ سالن اور روٹی ملنے) کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا مانگی، تب دعا پر اثرات مرتب ہوگئے۔

دعا برابر مانگتے رہنا چاہئے

خدا کے حضور اپنی عاجزی، احتیاج اور عبودیت کا اظہار خود ایک عبادت ہے، خدا نے خود دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ بندہ جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی سنتا ہوں۔ اس لیے دعا مانگنے سے کبھی نہ اُکتایئے اور اس چکر میں کبھی نہ پڑیئے کہ دعا سے تقدیر بدلے گی یا نہیں، تقدیر کا بدلنا نہ بدلنا، دعا کا قبول کرنا یا نہ کرنا خدا کا کام ہے، جو علیم و حکیم ہے۔ بندے کا کام بہر حال یہ ہیکہ وہ ایک فقیر اور محتاج کی طرح برابر اس سے دعا کرتا رہے اور لمحہ بھر کے لیے بھی خود کو بے نیاز نہ سمجھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”سب سے بڑا عاجز وہ ہے جو دعا کرنے میں عاجز ہو۔“ (طبرانی)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: ”جو شخص خدا سے دعا نہیں کرتا خدا اس پر غضب ناک ہو جاتا ہے۔“ (ترمذی)

دعا میں بہ تکلف قافیہ بندی سے پرہیز کرنا چاہئے۔

دعا سادہ انداز میں مانگنی چاہئے، بہ تکلف قافیہ بندی، گانے اور سر ہلانے سے پرہیز کرنا چاہئے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور ایسی کیفیت کو ناپسند فرمایا ہے۔

دعا کا طریقہ

باوضو ہو کر قبلہ رخ بیٹھا جائے، خدا کو حاضر و ناظر تصور کر لیا جائے، دونوں ہاتھ اپنے سینے کے مقابل اٹھائے جائیں، ہتھیلیاں آسمان کی طرف رکھی جائیں اور عاجزی کو اپنے اوپر مسلط کر کے نظریں نیچے رکھی جائیں، پھر خدا تعالیٰ کی حمد و تعریف کی جائے اور درود شریف پڑھ کر پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی جائے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی تمام حاجات رکھی جائیں اور پھر اپنے اقرباء، رشتہ داروں اور تمام مسلمانوں کے لیے خوب دعا مانگی جائے، اخیر میں درود شریف پڑھ کر منھ پر ہاتھ پھیر لیا جائے اور یقین کرتے ہوئے اٹھے کہ یہ دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور قبول ہو چکی ہوگی۔

قبولیت دعا کے خاص اوقات وحالات

خدا سے ہر آن دعا مانگتے رہنا چاہئے کہ وہ اپنے بندوں کی فریاد سے کبھی نہیں اُکتاتا، البتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ خاص اوقات اور مخصوص حالات ایسے ہیں، جن میں خصوصیت کے ساتھ دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں، لہٰذا ان مخصوص حالات میں دعاؤں کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے۔ ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

● ..... رات کے پچھلے حصہ میں۔
● ..... شب قدر میں۔ ● ..... عرفہ کے دن یعنی 9 ذی الحجہ کو۔ ● ..... جمعہ کے مخصوص اوقات میں (خطبہ کے شروع ہونے سے نماز کے ختم تک یا اس دن نماز عصر کے بعد سے نماز مغرب تک)۔ ● ..... اذان کے وقت۔ ● ..... میدانِ جہاد میں صف بندی کے وقت۔ ● ..... اذان اور تکبیر کے درمیان وقفہ میں۔ ● ..... رمضان کے مبارک ایام میں، بالخصوص افطار کے وقت۔ ● ..... فرض نمازوں کے بعد۔
● ..... سجدے کی حالات میں۔
● ..... شدید مصیبت اور انتہائی رنج و غم کی حالت میں۔ ● ..... کسی دینی مجلس میں۔
● ..... قرآن پاک کے ختم کے وقت۔
● ..... بارش برسنے کے وقت۔

ان تمام اوقات و حالات میں دعا کی قبولیت کی تصدیق احادیث مبارکہ میں آئی ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح آداب کے ساتھ دعا مانگنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

●●

مفتی راشد حسین ندوی

سوال وجواب

س: موبائل میں قرآن مجید پڑھنا کیسا ہے؟ وضاحت سے مطلع فرمائیں۔

ج: موبائل میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے، بس اس بات کا خیال رکھا جائے کہ جب اسکرین پر قرآن مجید موجود ہو تو بلا وضو اسکرین کو نہ چھوا جائے۔ (شامی-1/214)

س: میں مسافت قصر پر گیا ہوا تھا، لہٰذا عشاء کی نماز وہاں پر قصر پڑھ لی، پھر عشاء کا وقت باقی ہی تھا کہ تقریباً گیارہ بجے اپنے وطن واپس آ گیا، تو کیا مجھے نماز دوبارہ پڑھنا پڑے گی؟

ج: آپ نے جو نماز قصر پڑھی اس سے فریضہ کی ادائیگی ہوگئی، لہٰذا خواہ وقت ہی پر وطن واپسی ہوگئی ہو اب اس نماز کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (شامی-1/585)

س: میرے شوہر اور میرے درمیان فون پر بحث چل رہی تھی، تبھی میرے شوہر کو غصہ آیا اور انہوں نے ہم کو مخاطب کر کے بول دیا: ''تم کو طلاق دیتا ہوں ہون، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں،'' پھر فون رکھ دیا، اس صورت میں طلاق پڑی یا نہیں؟

ج: صورت مسئولہ میں تین طلاق مغلظہ پڑ چکی ہے، اب نہ تو شوہر رجوع کر سکتا ہے، نہ دونوں حلالہ شرعیہ کے بغیر نکاح کر سکتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره۔** (بقرہ) (تو اگر تیری طلاق دے دی تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے)۔ (ہندیہ-1/474)

س: زید کہتا ہے کہ جب اس کے والد محترم حیات تھے تو انہوں نے میرے چھوٹے بھائی کی پرورش اور دیکھ بھال کی ذمہ داری مجھے سونپ دی تھی، اب بھائی کی عمر اس وقت بارہ سال تھی، تو زید نے اپنے چھوٹے بھائی کی بخوبی پرورش کی، اس کی شادی کروادی، اور کاروبار سے لگوادیا، پھر زید ملک کے باہر کمانے کے لئے چلا گیا، اور زید کا چھوٹا بھائی اپنے اور اپنے بڑے بھائی کے گھر کی دیکھ بھال کرتا رہا اور گھر کا خرچ چلتا رہا، پھر زید نے اپنی کمائی سے کچھ زمینیں خریدیں، اب زید کا چھوٹا بھائی یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ان زمینوں میں میرا بھی حق ہے، کیا اس کا کہنا صحیح ہے؟

ج: اگر بیان کردہ تفصیلات صحیح ہیں تو زید نے اپنی علاحدہ کمائی سے جو زمینیں خریدیں ہیں ان کا مالک صرف زید ہے، زید کے بھائی کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ (شامی-3/383، رحیمیہ-9/156)

س: لڑکی کی شادی میں اکثر لوگ دعوت کا اہتمام کرتے ہیں، اور مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، یہ عمل کیسا ہے، وضاحت سے بتائیں۔

ج: مسنون دعوت ولیمہ ہے جو شوہر کی طرف سے شب زفاف کے بعد دی جاتی ہے، لڑکی والوں کی طرف سے جو دعوت دی جاتی ہے وہ سنت سے ثابت نہیں ہے، وہ ایک عام دعوت کی طرح ہے، بغیر اسراف اگر مہمانوں کو کھلا دیا جائے تو ممنوع نہیں ہے، لیکن برات کا جو تصور ہمارے دیار میں ہوگیا ہے وہ برادران وطن کے زیر اثر ہے، خاص طور سے دولہا کے گھر والوں کا زیادہ براتی لانے کا اصرار بے غیرتی ہے۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو لڑکی والوں کو تقریب مختصر رکھنی چاہئے۔ اور نہ تو زیادہ براتی لے جانا چاہئے نہ ہی زیادہ براتیوں کا مطالبہ کرنا چاہئے۔ (کفایت المفتی: 5/156 تا 161)

س: کیا ولیمہ میں عقیقہ کرایا جاسکتا ہے؟

ج: ولیمہ میں عقیقہ کرایا جاسکتا ہے، لیکن جو لوگ ولیمہ وغیرہ کی دعوتوں میں نیوتہ لیتے ہیں اگر عقیقہ کرانا ہے تو انہیں نیوتہ نہیں لینا چاہئے، اس لئے کہ اس میں معاوضہ کا شبہ ہے اور عقیقہ کے گوشت کا عوض لینا ناجائز ہے، ویسے بھی نیوتہ کی رسم غیر شرعی ہے۔ البتہ عقیقہ میں سنت یہ ہے کہ ساتویں دن کیا جائے، اب اگر عقیقہ کے لئے ولیمہ کا انتظار کیا گیا تو یہ سنت چھوٹ جائے گی۔ (رحیمیہ: 7/171، 172)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

چیلنگ کم سے آمنہ بننے تک

ایک کمیونسٹ لڑکی کی داستان

میران نام چیلنگ کم تھا۔ جب میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے گاؤں میں ہر طرف لال جھنڈوں کو لہراتے ہوئے دیکھا، جن پر ہتھوڑا اور درانتی بنے ہوئے تھے۔ مجھے میرے والدین نے بتلایا کہ ہتھوڑا اور درانتی کمیونسٹ پارٹی کی علامت ہیں اور روس میں کمیونسٹوں کی حکومت ہے، جو کسی مذہب کو نہیں مانتے، بلکہ ان کے نزدیک ہتھوڑا اور درانتی مقدس ہیں۔ یہ دونوں چیزیں محنت کشوں کو پیغام دیتے ہیں۔ ہتھوڑا اور درانتی محنت کشوں کو پیغام دیتے ہیں کہ انہیں دن رات محنت کرکے اپنی روزی روٹی کمانی چاہئے، کیونکہ زندہ رہنے کے لیے روزی روٹی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ اگر روزی روٹی میسر نہیں ہوگی تو پھر زندگی بیکار ہے۔ جن لوگوں کے پاس روزی روٹی موجود ہے، وہ خوشحال زندگی بسر کرتے ہیں اور جن کو یہ حاصل نہیں ہے وہ بھوک اور پریشانی کے ساتھ زندگی کے دن پورے کرتے ہیں اور آخرکار بھوک اور غریبی سے تنگ آکر ایڑیاں رگڑتے ہوئے مرجاتے ہیں۔ میرے والدین نے مجھے نصیحت کی تھی کہ تمام عمر مذہب کے قریب نہ جاؤں، چونکہ مذہب افیم کی طرح ہے۔ جیسے افیم کھاکر دماغ بیکار ہوجاتا ہے اور اس میں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت نہیں رہتی، اسی طرح مذہب کے ماننے والے بھی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتے ہیں۔ میں جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی، میرے والدین مجھے سمجھاتے رہے کہ میں پیدائشی طور پر کمیونسٹ ہوں اور میرا کام یہ ہے کہ میں کمیونسٹ نظریات پر عمل کرتی رہوں اور اپنی کمیونسٹ تعلیم پوری کرنے کے بعد دنیا میں کمیونسٹ نظریات کے لیے کام کروں، چنانچہ جب میں 18 برس کی عمر کو پہنچی تو مکمل طور پر کمیونسٹ نظریات کی حامی تھی اور میرا یقین تھا کہ کمیونزم ہی دنیا کا سب سے زیادہ کامیاب نظام ہے۔ یہ نظام ہی مزدوروں کو روزی روٹی کا حق دیتا ہے، اگر دنیا سے غریبی اور بھوک کو مٹانا ہے تو اس نظام پر عمل کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ کار نہیں ہے۔

میرے ساتھ لڑکیوں کا ایک گروپ تھا، جن کو میری طرح کمیونزم کی تعلیم دی گئی تھی اور ان کو سمجھایا گیا تھا کہ مذہب اور اس کی رسومات ہمارے لیے قابل عمل نہیں ہیں اور ہمیں ان سے ہمیشہ دور رہنا چاہئے، لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ میرے ذہن میں بار بار یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ آخر مذہب کیا ہے۔ مذہب کس کو کہتے ہیں اور ہمیں مذہب کی طرف جانے سے کیوں روکا جاتا ہے۔ جب بھی میں نے اپنی ساتھی لڑکیوں اور لڑکوں سے مذہب کے بارے میں سوال کیا تو سب کا جواب یہی ہوتا کہ انہیں معلوم نہیں کہ مذہب کسے کہتے ہیں۔ کسی چیز کا انکار کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ حقیقت سے انکار کیوں کیا جارہا ہے۔ مجھے اپنے ضمیر کی طرف سے یہ آواز آتی ہوئی سنائی دی کہ میں اپنی ذاتی کوششوں سے مذہب کو سمجھنے کی کوشش کروں، لیکن بڑا سوال یہ تھا کہ کوشش کا آغاز کیسے کیا جائے اور میں کس طرح جانوں کہ مذہب کسے کہتے ہیں، چنانچہ میں نے اپنے سب

سے بڑے علاقے چن چاؤ کی لائبریری کی رکنیت حاصل کی، تاکہ مجھے کچھ ایسی کتابیں حاصل ہوجائیں، جن کو پڑھ کر میں مذہب کے بارے میں معلومات کرسکوں، لیکن مجھے سخت تعجب ہوا کہ چن چاؤ کی لائبریری میں کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں تھی، جس کو پڑھ کر میں اپنے سوال کا جواب تلاش کرسکتی۔ البتہ ایسی بے شمار کتابیں تھیں، جن میں مذہب کو افیم سے تعبیر کیا گیا تھا، لیکن یہ نہیں بتلایا گیا تھا کہ مذہب کس کو کہتے ہیں۔

خوش قسمتی سے مجھے کمیونسٹ نظریات کی نشر و اشاعت کے لیے کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے ہدایت دی گئی کہ میں پاکستان جاؤں اور وہاں کے ترقی پسند گروپ کے ساتھ مل کر کمیونسٹ نظریات کے فروغ کے لیے کام کروں۔ مجھے پاسپورٹ فراہم کیا گیا اور میں پاکستان کے لیے روانہ ہوگئی۔ مجھے سمجھایا گیا تھا کہ میں پاکستان میں سیاح کے طور پر رہوں اور وہاں کی کمیونسٹ پارٹی کے لیے خفیہ طور پر کام کروں، چنانچہ میں اپنے مشن کے لیے روانہ ہوگئی اور چند ساعتوں کے ہوائی سفر کے بعد پاکستان پہنچ گئی۔ میرے استقبال کے لئے وہاں چند دوست موجود تھے، جن کے ساتھ میں ایک کامریڈ کے گھر پہنچ گئی۔ یہ وہ علاقہ تھا، جہاں ہر طرف مسلمان موجود تھے۔ مسجدیں تھیں، جہاں سے پانچوں وقت اذان کی آوازیں گونجتی تھیں۔ ان آوازوں سے میں مانوس نہیں تھی، لیکن شب و روز ان آوازوں کے کانوں میں پہنچتے رہنے کی وجہ سے میری طبیعت میں ایک تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوگئی۔ میرے تعلقات بھی وہاں رہنے والے مسلمانوں کے ساتھ آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔ میری سمجھ میں آنے لگا کہ مذہب کیا ہوتا ہے۔ پہلی مرتبہ مجھے خدا کے بارے میں مسلمانوں کے ذریعہ معلومات حاصل ہونے لگیں اور تب میں نے جانا کہ اللہ کسے کہتے ہیں اور کلمہ کیا ہوتا ہے۔

مجھے معلوم نہیں تھا کہ میری زندگی میں ایک بڑی تبدیلی آنے والی ہے اور میں الحادی زندگی سے ایمانی زندگی کی طرف سفر شروع کرنے والی ہوں۔ مجھے بھیجا اسی لیے گیا تھا کہ میں پاکستان پہنچ کر اشتراکیوں کے ساتھ کام کروں گی اور کمیونسٹ نظریات کو پھیلاؤں گی، لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں کے درمیان پہنچ کر میں اسلام سے متاثر ہوجاؤں گی اور آخرکار اسلام قبول کرلوں گی۔

واقعات کا تسلسل یہ ہے کہ مجھے مسلمانوں میں کام کرنے والے ایسے مبلغ ملتے رہے، جن سے میری مذہبی معلومات بہت گہری ہوتی گئیں اور میں نے جان لیا کہ یہ دنیا خود بخود پیدا نہیں ہوئی ہے، بلکہ اس کو پیدا کرنے والی ایک ذات ہے، جس کو اللہ کہتے ہیں۔ مجھے سمجھایا گیا کہ دنیا کا کوئی کام خود بخود نہیں ہوجاتا، بلکہ اللہ رب العزت کی مرضی کے بغیر کوئی کام اپنے آپ انجام کو نہیں پہنچتا۔ ایک نوجوان محمد ہادی حسن نے مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ روزی روٹی انسان کی زندگی کا مقصد نہیں، بلکہ روزی روٹی تو بہرحال میسر آ ہی جاتی ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے اور اس نے زندگی گزارنے کے لیے جو راستے بتلائے ہیں، ان پر عمل کرے۔ ہتھوڑا اور درانتی زندگی کی علامت نہیں بن سکتے۔ یہ انسان کے ایمان کا جز نہیں بن سکتے۔ انسان کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ کی عبادت کرے۔ انسان کو اشرف المخلوقات اسی لیے بنایا گیا ہے، تاکہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کرے، ورنہ تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق ہی نہیں رہتا۔

محمد ہادی حسن نے مجھے بتلایا کہ کمیونزم میں روٹی کپڑا اور مکان کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اس کے آگے کچھ اور بھی ہوسکتا ہے، اس کی خبر ملحدوں کو نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ روٹی کپڑا اور مکان زندگی کی منزل ہے، لیکن

زندگی کا یہ تصور نہایت گھٹیا درجہ کا ہے۔ اسلام اس کو قبول نہیں کرتا۔ اسلام زندگی کی اعلیٰ قدروں میں یقین رکھتا ہے۔ روزی روٹی اور مکان کے لیے تو دوسرے جاندار بھی فکرمند رہتے ہیں۔ آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اونچی صفات کے ساتھ زندگی بسر کرے اور وہ جانوروں کی طرح روزی روٹی اور مکان کے لیے پریشان نہ رہے۔ یہ تمام چیزیں تو اللہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہیں۔ اس لیے آدمی کو اپنی تمام ضرورتوں کے لیے اپنے قادر مطلق کے آگے ہی سر جھکانا چاہئے۔

مذہبی ماحول میسر آنے پر مجھے معلوم ہوا کہ زندگی ہتھوڑا اور درانتی پر ہی ٹکی ہوئی نہیں ہے، بلکہ اس کا دار و مدار اخلاقی قدریں ہیں، جس پر عمل کر کے آدمی خود کو ایک مکمل انسان بنا سکتا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی تکلف نہیں ہے کہ محمد ہادی حسن کی گفتگو نے میری طبیعت پر گہرا اثر ڈالا اور میں سوچنے لگی کہ اگر محمد ہادی حسن کے ساتھ میری شادی ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔ تمام چیزیں چونکہ مقدر کے مطابق ہوتی ہیں، اللہ نے میری تقدیر میں لکھ دیا تھا کہ میں الحاد کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جاؤں گی۔ اس لیے محمد ہادی حسن نے ایک دن مجھ سے شادی کی تجویز پیش کردی، لیکن اس نے یہ شرط عائد کردی کہ مجھے حلقہ بگوش اسلام ہونا پڑے گا۔

میں تو چاہتی تھی کہ کسی طرح اسلام کی دولت کو اپنے دامن میں سمیٹ لوں اور دنیا میں ایک مسلمان نام کے ساتھ اپنی شناخت قائم کروں۔ اللہ نے میری مشکل آسان کردی، میں نے کلمہ شہادت پڑھ کر ایمان قبول کرلیا۔ میرا نام آمنہ رکھا گیا۔ آج میں آمنہ ہادی حسن کے نام سے مشہور ہوں۔ اب میں پاکستان میں نہیں ہوں، بلکہ اپنے شوہر کے ساتھ برطانیہ میں اسلامی شعائر کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہوں۔ یہ بتلانا ضروری ہے کہ اسلام ایک سچا مذہب ہے، جس کو اللہ نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ دنیا والوں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔ اسلام کے علاوہ جتنے مذاہب دنیا میں موجود ہیں، وہ سب منسوخ ہو چکے ہیں۔ اب آخر میں کوئی دین یا مذہب باقی بچا ہے تو اس کا نام اسلام ہے۔ اللہ کا شکر ہے اس نے مجھے اندھیرے سے روشنی کی طرف بھیج دیا ہے۔ مجھے اللہ نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی عطا کردیئے ہیں اور میں آرام و سکون کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہوں۔ جو لوگ حق کی تلاش میں محنت کرتے ہیں، ان کو حق کی دولت حاصل ہو جاتی ہے۔ خدا کرے کہ حق کی یہ دولت اس زمین پر رہنے والے تمام لوگوں کو حاصل ہو جائے۔ (آمین)

ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کو دفتر کی جانب سے بقایاجات کے خطوط روانہ کئے گئے ہیں، ان سے گزارش ہے کہ جلد از جلد بقایا رقم ادا فرمادیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کردیں تاکہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔

جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲/ بجے سے شام ۵/ بجے تک فون پر رابطہ کرسکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔

دفتر کھلنے کا وقت ۲/ بجے سے ۵/ بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے : Mobile : 9415911511

آخری صفحہ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

پھر تو تمہارے لئے یہی کافی ہے

حضرت صعصہ بن معاویہؓ نور محمدی کی کرنوں سے فیضیاب اور فیضان نبوت سے مستفیض ہو چکے ہیں۔ مشہور شاعر فرزدق کے آپ چچا ہیں۔ ایک موقع پر وہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو سورۂ زلزال سنائی یہاں تک کہ آپؐ اس آیت تک پہنچے "**فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره**" (سو جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو وہاں دیکھ لے گا اور جس شخص نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اس کو وہاں دیکھ لے گا) انہوں نے کہا اس کے بعد میں کچھ اور نہ سنوں تب بھی میرے لئے یہ کافی ہے۔ (رواہ احمد)

آپ ﷺ نے حضرت صعصہؓ کو تعلیم و تربیت کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا وہ چند دن آئے اور اس کے بعد غائب ہو گئے، رسول اکرم ﷺ نے مجلس میں جب کئی دن تک ان کو نہیں دیکھا تو حضرت علیؓ سے اس بابت دریافت کیا، حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ وہ کچھ دن تو میرے پاس آئے اور پھر اچانک غائب ہو گئے آپ لوگوں سے ان کے بارے میں دریافت کریں۔ آخر ایک صحابی کی ان سے ملاقات ہوگئی، وہ لکڑی کا گٹھا سر پر لئے بیچنے جا رہے تھے، انہوں نے کہا "رسول اللہ ﷺ آپ کے بارے میں دریافت فرما رہے تھے چل کر ملاقات کر لو" لکڑی فروخت کر کے جلدی جلدی حضورؐ کی خدمت میں پہنچے، آپؐ نے کئی روز تک نہ آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا "میں اس لئے نہیں آیا کہ میری تعلیم پوری ہوگئی آپؐ نے فرمایا مختصر عرصے میں تمہاری تعلیم کیسے پوری ہوگئی، انہوں نے کہا میرے سامنے قرآن مجید کی یہ آیت "**فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یره ومن یعمل مثقال ذرة شراً یره**" ہے۔

اس آیت کے بعد میری کیفیت اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ جب بھی کوئی کام کرتا ہوں تو یہ خیال آجاتا ہے کہ قیامت میں اس کا انجام کس صورت میں سامنے آئے گا، اگر اچھا ہوتا ہے تو اس کو کرتا ہوں اور اگر اس اعتبار سے کھٹک پیدا ہوتی ہے تو رک جاتا ہوں پھر وہ کام مجھ سے نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر تو تمہارے لئے یہی کافی ہے"۔

انسان کو "**رب زدنی علماً**" کے تحت مزید علم کی تلاش جاری رکھنی چاہئے مگر علم سے مقصود محض معلومات کا ذخیرہ جمع کرنا نہ ہو بلکہ حضرت صعصہؓ کا سا جذبۂ عمل ہو کہ علم کا حصول عمل کی نیت سے ہو، اور واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ جذبہ ہو تو بسا اوقات ایک بات ہی انسان کی زندگی میں صالح انقلاب لانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ لیکن افسوس کہ آج ہم میں سے اکثر کی حالت یہ ہے کہ ہمارے قول و عمل میں تضاد ہے، ہم کردار سے زیادہ گفتار کے غازی ہیں، اور شاعر مشرق علامہ اقبال کے ان اشعار کے مصداق ہیں۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا
کیا خوب امیر فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا
تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا
اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی بن نہ سکا

آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کے لئے اپنے سے کسی بڑے مربی و مصلح کے سامنے جانے سے عار محسوس کرتے ہیں، استکبار علمی کی وجہ سے عمل سے دور ہیں۔

اور ظاہری علوم کی وجہ سے خوش ہیں، ہم کو اپنے علم پر ناز ہے اور شاید ہمیں جیسے لوگوں کے لئے قرآن مجید نے کہا ہے "**فرحوا بما عندهم من العلم**" (وہ لوگ اس علم ہی کی وجہ سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہیں۔)

لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم بھی اپنے اندر حضرت صعصہؓ جیسا جذبۂ عمل پیدا کریں کیوں کہ عمل ہی سے زندگی بنتی ہے بقول اقبال:۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

ایک دوسرے شاعر کے الفاظ میں:۔

تاخیر کا موقع نہ تذبذب کا عمل ہے
یہ وقتِ عمل، وقتِ عمل، وقتِ عمل ہے